

پنچھی جوت در جوت اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے اور انسان گھروں سے باہر نکل رہے تھے۔ اندھیرے کے ساتھ ساتھ مارکیٹ میں رش بھی بڑھ رہا تھا۔ اپنے نازک ہاتھوں میں کئی برائڈز کے پھیلے اٹھائے مدح منصور نے بے چارگی سے گندم کے خوشوں جیسی اس سنہری لڑکی کو دیکھا جو اس کو نظر انداز کرتی اس سے دس قدم آگے چل رہی تھی۔

”ایسا! اب یہاں سے کیا لیتا ہے؟“ گلاس دور دھکیلاتی ایشل جاوید کو اس نے تقریباً ڈانٹتے ہوئے پوچھا۔

”جوتوں کی دکان سے کتابیں لیتی ہیں۔“ کمل بے نیازی سے کہتی وہ اندر کھس چکی تھی۔

”کتنے جوتے لے گی یہ لڑکی۔“ ہاتھ میں اٹھائے جوتوں کے ڈبوں کو دیکھ کر بے بسی سے سوچا۔ ایک لمبی کلریشنل اس نے منتخب کیے۔

”ہاں! یہ آپ کی شادی کی شاپنگ نہیں ہے۔“ بل ادا کر کے وہ ہر لکھیں تو مدح نے اپنے اور ایشل کے ہاتھوں میں اٹھائے شاپرز کو دیکھ کر چوٹ کی۔

”یونی میں ایڈمیشن، شادی سے بڑا واقعہ ہے۔“ کھنکھنے سیارہ رہی ہائی یونی ٹیل کو ہلائی وہ اپنے لاروا انداز میں بولی۔ مدح متکراتی ہوئی پارکنگ کی طرف بڑھنے لگی۔

”کیا مطلب۔۔۔ کچھ کھلاؤ گی نہیں؟“ مدح سے دو چار ایشل مارکیٹ کے ساتھ پر بنے ریسٹورنٹ کے باہر کھڑی رو دینے کو بھی۔ مدح نے مڑ کر دیکھا۔

”مائی کا دوبارہ فون آچکا ہے ایشا۔“ معذرت خواہانہ انداز میں مدح بولی۔

”اچھا اور جو صبح سے میں تمہاری یونیورسٹی میں تمہارے بورنگ دوستوں کے ساتھ تمہارے فضول سے تھسز کے لیے جمل خوار ہو رہی ہوں تب تو

سارہ حسنین

شہرِ نئے کی گلی خیر





تمہاری مائی نے ایک بھی فون نہ کیا؟“ چھوٹے منہ کے ساتھ بولتی پانچ چھ سال کی بچی لگ رہی تھی۔ مدح نے گہری سانس بھری۔ جلن سے پیاری ایشل کے اس انداز پر وہ بے بسی سے مڑی۔

”مدح۔۔۔؟“ اب وہ باقاعدہ چینی تھی، اپنا احسان جتانے والا حربہ بے اثر جاتا دیکھ کر اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

”یہ گاڑی میں رکھ آؤں۔۔۔؟“ اپنے ہاتھ میں پکڑے شاہرزاد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مدح نے اپنے مڑنے کی وضاحت دی۔

”ہرے۔۔۔ میری سب سے اچھی بہنا۔۔۔ تیرا کیا کہنا۔۔۔“ پریشانی اداسی اور تھکاوٹ کے پائل چھٹ گئے اور خوشی محقق کی طرح اس کے گہری چہرے پر بکھر گئی۔

وہ ایسی ہی تھی۔۔۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر خوش ہو جانے والی من مونی۔۔۔ اپنے دل کی سستی۔۔۔ اس کے لیے دل کی دھڑکیاں خوش تھیں۔ مدح اس سے چھ سال بڑی تھی۔ جب چھوٹی تھی تو سب نے سکھایا کہ یہ تمہاری اپنا ہے۔ لیکن وہ ایشل تھی اسے مدح کہنے سے خوشی ملتی تھی۔ سو آج تک وہ اس کی مدح ہی تھی۔

لیکن مدح ایسی نہیں تھی۔۔۔ وہ ہر طرح سے ایشل کی متغلو تھی۔ وہ گہری پلکوں، لانے والی گلابی لڑکی۔ کوئی افسانوی کردار لگتی۔ دھیسے لہجے میں ٹھہر ٹھہر کر بولتی۔ سب کو خوش رکھنے میں بلکل ہوتی جاتی۔۔۔ اور کسی افسانوی کردار کی ہی طرح چپکے چپکے کسی کی محبت کے راز کو شعروں میں ڈھالتی رہتی۔ اور کئی چیزوں کو فرض کر کے خوش ہوتی رہتی۔ واحد ایشل تھی جو بنا کے اس کے ہر راز سے واقف تھی۔

”مائی کانگ۔۔۔“ ڈیش بورڈ پر بڑے اپنے موبائل کی چمکتی اسکرین دیکھ کر مدح نے ایک سیلیئر پر دباؤ بڑھا دیا۔

”ایک تو میں تمہاری مائی سے بڑی تنگ ہوں یا۔۔۔ مانڈ نہ کرنا۔“ ایشل کو لڈ ڈرنک کا کھونٹ بھرتے

سامنے جاتی گاڑیوں کی بیک لائٹس دیکھتی بے نیازی سے بولی۔

”وہ تمہاری بھی کچھ ہوتی ہیں۔“ مدح ہلکا سا مسکرا کر بولی۔

”ہوتی تھیں۔۔۔ آج کل تو مجھ کو کبھی بھی ایسے ہیں جیسے کبھی دیکھا ہی نہ ہو۔“

”اچھا فضول باتیں نہ کرو۔ تم بھی تو انیس بہت تنگ کرتی ہو۔“ مدح نے مائی کی طرف اشارہ کیا۔

”جی۔۔۔ جی۔۔۔ آج میں نے کیا تنگ کیا ہے جو فون پر فون کھڑا رہی ہیں؟“ ایشل جلی بھتی بولی۔

”تم شاید بھول رہی ہو کہ آج کیا وہ بچے کی فلائٹ سے تہینہ خالہ آ رہی ہیں۔ ملا اور مائی کی پگن میں اہلپ کروانی ہے۔ اور آج عابدہ بھی نہیں آئی۔

سارے گھر کی ڈسٹنگ بھی ہونے والی ہے۔“ مدح تنکڑے بولی۔

”اوہ۔۔۔ میں بھول کیسے گئی۔۔۔ جلدی کرو مدح کتنا وقت ضائع کرتی ہو تم؟“ شرارت سے ہونٹ دبا کے بولی۔

”اور عابدہ کی تو بات ہی نہ کرو۔ جب ہمارے گھر کوئی تقریب ہو یا کسی نے آتا ہو اس کے سر ایلوں میں فوننگی ہو جاتی ہے۔“ اپنے بھول جانے کا غصہ وہ عابدہ پر اتار رہی تھی۔

”آپا نہیں کہتے پگل۔“ گھر کی طرف جانے والی چھوٹی سڑک پر گاڑی موڑتے ہوئے مدح نے تنبیہ کی۔

”نہیں تم حساب لگا لو۔ جب ماموں آئے تھے تب اس کے جینے کے سرگزرے تھے اور جب پاپا کے دوستوں کی دعوت تھی تب۔“ اس کو عابدہ نے گلا

سارے سرسالی یاد تھے جو وقتاً فوقتاً رخصت ہوئے تھے۔ مدح بس مسکراتی رہی۔



تہینہ خالہ تو وہ تہینہ خالہ تھیں ہی نہیں جنہیں جانے جانی تھی۔ جس تہینہ خالہ کو وہ جانتی تھی۔



اوں سے مسکراہٹ تو کبھی جدا ہی نہیں ہوتی تھی۔  
لال گھلائی پھولے پھولے گل اور موٹی روشن آنکھیں  
ان کے بچے چرے کو چار چاند لگائے رکھتیں۔ لیکن یہ  
وہ کل رات سے خاتون نمینہ خالہ کے روپ میں ان کی  
نمائندگی ہوئی تھیں یہ تو کوئی اور تھیں۔ پیلے سرسوں

گل لال پونے، دھنسی ہوئی آنکھیں اور لب اسٹک  
سے بے نیاز ہونٹ۔ ایٹل کو تو یقین ہی نہیں آ رہا تھا  
اور اس پر۔۔۔ مستزاد یہ کہ ان کی آنکھوں میں اٹھتا  
آنسوؤں کا طوفان جو تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

”تابندہ۔۔۔ میرے تو سارے ارمان ہی چمکتا چور ہو  
گئے۔ نہ مایوں پہ شکلوں کا تیل لگایا نہ مندی پہ لذی  
ذاتی۔ اس لڑکے نے تو جیتے جی مار دیا مجھے۔“ ماما کے  
گلے لگ کر روتے روتے دہائی دی۔

”ایسا نہ کہو نمینہ۔ اللہ سلامت رکھے اذان اور  
ندان بھی تو تمہارے بیٹے ہیں۔ سارے ارمان  
پورے کرنا۔“ ماما نے گویا تسک دی۔ ایٹل پانی کا  
گلاس ہاتھ میں پکڑے کھڑی تھی۔

”چلو پانی پو۔“ ماما نے ایٹل کے ہاتھ سے گلاس  
ایا۔ خالہ کے آجانے سے ماما کا رویہ بھی ایٹل سے  
عوزا نرم ہو گیا تھا۔ ورنہ پچھلے ایک مہینے سے جو سرد  
جنگ جاری تھی، ایٹل کا ماما کے سامنے کھڑا ہونا بھی  
نہل تھا۔

”پر نہیں تابندہ۔ حسان تو میرا سب سے فراتر دار  
بناتا تھا۔ یہ دونوں تو پیلے ہی میری کم سننے ہیں۔“ پانی  
پکڑ لیا مگر ابھی یا نہیں۔

”تابندہ۔ کیا گوریاں بھی تعویذ دھاگے کرواتی  
ہں گی۔“ پر سوچ انداز میں پوچھا تو ماما نے بمشکل اپنی  
کی چھپائی اور ایٹل نے چھپانے کی کوئی زحمت نہ کی۔  
اسے تو حیرت ہو رہی تھی کہ دنیا کے حالات بدلنے کی  
انت رکنے والا امریکہ خالہ کے اندر کی پاکستانی ماستا کا  
بہ نہیں لگاؤ سکا۔ حسان نے گوری سے شادی کیا کر  
خالہ امریکہ اور امریکوں کو لات مار کے ہمیشہ ہمیشہ  
لے لیے وطن واپس آ گئیں۔ خالہ اور اذان بھی ساتھ

تھے۔ جبکہ حسان اگلے مہینے آنے والا تھا۔ اور اس  
ایک مہینے میں گھر خریدنا اور اذان کا الیس میں ایڈمیشن  
ان کا نامک تھا۔ ایٹل کو بے حد کوفت ہوئی یہ جان کر  
کہ ایک مہینہ مہمان داری کرنا پڑے گی۔ لیکن چند ہی  
دنوں میں اس کوفت کا نام و نشان نہ رہا۔ وہ سب ایسے  
گھل مل گئے جیسے ہمیشہ سے یہاں رہ رہے ہوں۔

نمینہ خالہ بابا کی فرسٹ کزن کے ساتھ ساتھ پچھو کی  
ہسٹ فرینڈ بھی رہ چکی تھیں۔ سوان کی تو اسکول کالج  
کی باتیں ہی ختم نہ ہوتیں اور خالہ بھی کافی خوش مزاج  
انسان تھے اور اذان۔۔۔ وہ ویسے تو ایٹل سے ایک سال  
بڑا تھا لیکن حرکتیں بالکل بچوں والی مدح اور ایٹل کا  
دوست تو وہ ملاقات کے فوراً ”بعد ہی بن گیا تھا۔ البتہ  
محبت بھائی کو کیرم بورڈ اور لوڈو تک لانے میں اسے دو  
چار دن لگ گئے تھے۔ ورنہ محبت بھائی کا گھر والوں سے  
کبھی کھیل کود والا کوئی تعلق رہا نہیں تھا۔ کبھی اگر  
فراغت ملتی اور موڈ اچھا ہوتا تو مدح اور ایٹل کو آس  
کر ہم کھلانے لے جاتے، اس سے زیادہ کچھ نہیں  
ایٹل تو کبھی ہی اسے سڑو تھی۔ وہ اکثر سوچتی کہ اگر  
محبت اس کا بھائی نہ ہوتا تو مدح کو کبھی اس سے محبت  
نہ کرنے دیتی۔ کمال مدح جیسی شاعرانہ مزاج والی  
افسانوی لڑکی اور کہاں میڈیکل کی موٹی موٹی کتابوں کا  
ڈسا ہوا خشک مزاج محبت جاوید۔ لیکن شلباش اذان کو  
کہ جس کی وجہ سے وہ گھر میں جتنا بھی پائے جاتے اکثر  
اپنے کمرے سے باہر ملنے۔ یہی بہت تھا۔



نیم زہرہ۔ جس کا نام رکھنے کی مہلت بھی اس کی  
میں کو نہ ملی۔ چند گھنٹوں کی پھول جیسی بچی کو چھوڑ کر  
اپنے آخری گھر روانہ ہو گئی۔ نیم کی داوی، جو اپنے  
سارے فرائض سے سبکدوش ہو کر خاتمہ بلایا، ان کی  
دعائیں مانگ رہی تھیں ننھے جاوید کی گود میں ملتی نیم  
کو دیکھ کر گویا پھر سے جوان ہو گئیں۔ اور پھر انہوں نے  
داوی سے ماں بننے کا حق لو اکر دیا۔ غلام حیدر پر دوسری  
شادی کا بہت زور ڈالا پر وہ اللہ کا بندہ بھی کس سے مس



نہ ہوا اور اپنی ساری توانائیاں ان دو اولادوں کی پرورش پر صرف کرنے میں جت گیا۔  
جاوید نسیم سے تین سال بڑا تھا اور نسیم تو جیسے کسی اجنبی چہرے کی رنگین چڑیا ہو۔ سارا سارا دل بھدکتی پھرتی۔ ہر چیز کو حیرت سے دیکھتی اور ہر وہ چیز جو اسے حیران کرتی اس سے متعلق ایک طویل سوالنامہ

اس کے پاس تیار ہوتا۔ کیا؟ کیوں؟ کب؟ کیسے؟ اور واوی یونیاں بیاتے، چرخہ کاتتے، سوت تانتے، لن سوتلا کا جواب دیتی ذرا نہ جھکتی۔ نسیم بھائی کی پٹی سبیلی، لپا کی لاڈ اور واوی کی سیمارانی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے سیمارانی جوان ہو گئی۔ واوی اور لپا۔ دونوں کو ہی بچوں کی اعلیٰ تعلیم کا بہت شوق تھا۔ مگر گاؤں میں تو اسکا پرچہ بس تک ہی تھا۔ جاوید کو تو چھٹی میں ہی ہاسل بھیج دیا گیا۔ جبکہ سیمادوسیس تک دوسرے گھوں میں جاتی رہی اور پھر اس کے بعد وہ بھی ہاسل۔ جاوید انجینئرنگ کیا یا۔ واوی اور لپا کی تو بانو من کی مراد پوری ہوئی۔ گاؤں بھر میں موتی چور کے لٹو تو ہانے ہی ساتھ ہی سر اسجائے کی نظر بھی لاحق ہو گئی۔ خاندان بھر کے پھولوں کی طرح لڑکیوں کی خوشبو میں آنے لگی۔ لیکن قریب بڑے بچا کی بیٹی تانبہ کے نام نکلا۔ جو خوب صورت اور ذہن تو بھی ہی۔ رکھ رکھاؤ میں۔ وہ بھی ہاسل میں ہی رہ کر بڑھ رہی تھی۔ سو طے یہ ہوا کہ چونکہ جاوید کی نوکری بھی شہر میں تھی اور لڑکیوں کا کالج بھی تو شہر میں ہی ڈیرے لگا لیے جائیں۔ واوی دل سے تو راضی نہ تھیں پر بچوں کی خوشی کے لیے اتارا۔

سیمانے تو بھائی کی شادی پر سارے ارمان پورے کیے۔ خوب صورت تو بھی ہی۔ ساڈی اور معصومیت اس کے حسن کو چار چاند لگا دیے۔ جاوید کے دوست منصور کی اہل تو دل و جان سے غذا ہو گئیں۔ اور جاتے جاتے واوی کے گلن میں رشتہ بھی ڈال گئیں۔ صلح مشورے کے بعد منگنی بھی کی گئی لیکن شادی کے لیے تعلق تب کی مہلت لے لی۔ کیونکہ سیمانے

سے پہلے شادی کے لیے بالکل رضی نہیں تھی لہذا واوی تو جیسے اسی انتظار میں بیٹھی تھیں۔ ابھی سیمانے شادی کو ہفتہ بھی نہ گزرا ہو گا کہ واوی گزر گئیں۔ لہذا اگر منصور سیمانے کو نہ سنبھالنا تو واوی کا علم اتنی تسلی سے نہ بھول پائی۔ منصور تو جیسے اس کی واوی کی قبولیت کی گھڑی میں مانگی گئی دعا تھا۔ بے پناہ خیال رکھتے والا۔ محبت کرنے والا۔ سیمانے کی خوشی کی خاطر جان تک بچھاؤ کرنے والا۔ سیمانے کو زندگی نے بھر بھر کے دیا تھا۔ ایک ماں کی کمی کے بعد اور کوئی کمی اس کے جیسے میں نہیں آتی تھی۔ منصور کی اہل ذرا سخت مزاج تھیں۔ مگر منصور اس طریقے سے معاملات سنبھالنا کہ سیمانے

جاوید کے ہاں محبت کی پیدائش ہوئی تو منصور نے سیمانے کی خواہش کے احترام میں ایک سے بڑھ کر ایک کھلونے اور کپڑے لے کر دیے۔ حالانکہ اس کی اہل کو یہ فضول خرچی لگ رہی تھی۔ لیکن منصور نے سہولت سے اہل کو سمجھالیا اور پھر جب ایک سال بعد ان کے ہاں مدح کی پیدائش ہوئی تو منصور تو جیسے ہواؤں میں اڑنے لگا۔ بار بار اس کے ہاتھ پاؤں چل چھو تا اور بے یقین سا کہتا۔

”یقین نہیں آتا سیمانے کہ یہ باری ہی ہمارے وجود کا حصہ ہے۔“ اور سیمانے مسکرائے جاتی اور گلن جانتا تھا کہ یہ آسودہ مسکراہٹیں سیمانے کے نصیب میں اب اور نہیں تھیں۔ اور گزرتی شاموں میں ایک ایسی شام آئی کہ منصور کے آنے کے بجائے اس کے چھوڑنے کی اطلاع آئی۔ زرار اور موٹر سائیکل کے تصادم میں نسیم اور مدح کی دنیا بڑھ گئی۔ ہر چیز ساکن ہو گئی۔ دنیا، وقت، موسم، حیات، احساسات۔ بس ایک تھکی جی کی چیخیں تھیں جو ہر ساکن چیز کو جھجھکا دیتا چاہتی تھیں۔ تانبہ، سیمانے اور بچی کو سنبھالنے سنبھالتے مکان ہوئی جارہی تھی۔ اپنی لاڈ کو دیکھتے ہو پھر اس کی لاڈ کو دیکھ کر آنسوؤں کے گولے حلق میں اتارنے لگتے۔ اور جاوید تو بے بس تھا کہ کیسے اہل باری بہن کی آنکھوں سے آنسو چن کر ستارے

سب کے ساتھ وقت گزارنے کی وجہ سے حسان کی شادی کاغم کم ہو رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ کل رات بہت دیر تک گپ شپ چلتی رہی۔ پرانی والی خالہ تمینہ کے قہقہے بھی گونجنے اور خالو کے مزے مزے کے لطائف نے بھی سہل ہاتھ رکھا تھا۔ رات جھکے کی وجہ سے ایٹل جن مشکلوں سے صبح اٹھ کر کالج گئی تھی یہ وہی جانتی تھی اور اب واپسی پر گاڑی میں ہی سو جانے کی خواہش کو بحال دیا کہ وہ گیٹ میں داخل ہو گئی۔

اتنی نیند اور بوجھل پن کے باوجود اسے پہلے آپ باؤس کو دیکھنا تھا۔ ازان جو ابھی ابھی کمرے سے باہر نکلا تھا۔ ایٹل کو پچھلے محن میں جاتا دیکھ کر اس کے پیچھے ہی چلا آیا تھا۔ اور وہ حسب معمول میاؤں میاؤں کرتے چیکو 'ٹوٹا' ٹانگیر اور پنی کے بیچ میں گھری ساری تھکاوٹ بھولے بیٹھی تھی۔ ایٹل اور ملا کے اختلافات میں ایک وجہ گیٹ ہاؤس بھی تھی۔ لیکن ایٹل کو اس سے خوشی ملتی تھی سو پچھلا محن اس کا اور

چند دن بعد ہوش میں آئی۔ صبح کو سینے سے لگا کر منصور کے چلے جانے کا یقین کرتی پھر سے جاگھر سردھا رگئی۔ منصور نہیں رہا تو کیا ہوا۔ اس کا گھر تھا، کمرہ تھا۔ ہر چیز منصور کی تھی جس میں سے اس کی خوشبو آتی تھی۔ وہ اسی خوشبو میں کم ہو کر زندگی گزار دینا چاہتی تھی۔ لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ سانس اور سر کی

طرف سے ہل سنبے دار جیٹھ سے نکاح کرنے پر اتنا زور دیا گیا کہ وہ منصور کی خوشبو کو صبح کے وجود میں لپیٹ کر باپ کی دہلیز پر آ بیٹھی۔ کبھی واپس نہ جانے کے لیے۔ ہستی ہستی رنگین چڑیا کے رنگ جیسے وقت کی جلتی دھوپ میں جل گئے تھے۔ ابا سے بیٹی کا دکھ دیکھا نہ کیا اور تین ماہ بعد وہ بھی چل بسے۔ جلیو، نسیم اور تانہہ تو جیسے بے در پے دکھوں سے لڑتے جینا ہی معمول کئے تھے۔ لیکن محب اور صبح کی تھی کلکاریاں ان کی اٹلیاں تھام کر زندگی کی طرف بھیج لا میں۔ زندگی پھر سے وہیں سے شروع ہو گئی جہاں پر رکی تھی۔ ہل البتہ اب کچھ پیارے ساتھ نہ تھے۔

تانہہ نے یونیورسٹی میں ٹاپ کیا تو اس کے لیے سے پیکچر شپ کی آفر کو قبول کرنا سیما کی محبت نے آسان کر دیا۔ محب اور صبح دونوں سیما کی مہربان آغوش میں ملنے لگے اور پھر چھ سال بعد ایٹل کی آمد تو گویا ان کی زندگیوں میں دھنک رنگ لے آئی۔ وہ بھی رنگین چڑیا تھی۔ صبح کی تو وہ گزرا بن گئی۔ پڑھائی اور ایٹل کے علاوہ صبح کی کوئی مصروفیت نہ تھی اور ایٹل بھی ماں سے زیادہ صبح کے آنے کا انتظار کرتی۔ اس کی ٹانگوں سے لپٹ کر اس کا استقبال کرتی۔ وقت کے ساتھ یہ محبت مزید گہری اور مضبوط ہوتی چلی گئی۔ ایٹل صبح کے بغیر نامکمل تھی اور صبح ایٹل کے بغیر اور حوری۔



تمینہ خالہ کچھ کچھ پرانی جون میں آ رہی تھیں۔

ادارہ خواتین ڈراما سوسائٹی

پیشکش: **انگریز کی دکانی**

دھیمہ چیمپل

قیمت - 350/- روپے

ملک: **پاکستان**



اس کی کیت کا تھا۔  
 ”یار! یہ چیکو تو مجھے دے دو بہت پسند ہے مجھے“  
 سفید دودھیا لے لے ہاؤں سے بھرے بھرے چیکو کو گود  
 میں لے اذان بولا۔

”خبردار۔ سوچنا بھی مت۔“ وہ جوان کے برتنوں  
 میں کھانا ڈال رہی تھی تھکے چوتھوں سے مڑی۔  
 ”کیوں جی؟“ وہ بھی بیڑھا ہوا۔

”جب میں نے انہیں خرید ا تھا تب مجھے پتا نہیں  
 تھا کہ بلوں اور کتوں کی خرید و فروخت ممنوع ہے۔  
 اس لیے میں چیکو تمہیں بیچوں گی۔ سوچنا بھی مت۔“  
 اب وہ صحن کے کونے میں گئے بیسن پر ہاتھ دھو رہی  
 تھی۔

”میں تم سے خریدوں گا بھی نہیں۔“  
 ”تو کیا کفٹ دے دوں تمہیں؟ اتنی دوستی نہیں  
 ہوئی ہماری۔“ ہاتھ جھانڑی وہ لاؤنج میں چلی آئی۔ وہ  
 بھی پیچھے ہی تھا۔  
 ”گنتی روڈ ہو تم۔“

”میں اس سے بھی زیادہ روڈ ہو سکتی ہوں۔ لیکن  
 تم تو میری خالہ کے بیٹے ہو اور دو سرا مہمان ہو۔ سو  
 بخشا تمہیں۔“ وہ بیڑھیاں چڑھتی شان بے نیازی  
 سے بولی۔  
 ”بہت شکریہ۔ اس رعایت کے لیے۔“ بد مزہ سا  
 ہو کر بولا۔

”یو موردن ویکرم ڈیر۔“ اس کو چڑاتی ہی آواز بلند  
 کہتی وہ اپنے کمرے میں داخل ہو چکی تھی۔ اسے بہت  
 دیر تک سونا تھا اب۔



کہ بات کرنے پہ ہی کھا جائے گا۔ اس کی خالہ کاٹھا  
 ہے۔ سو بات کرنے میں کیا حرج تھا۔ ایشل اپنی ہاتھ  
 تھکتی اس کے برابر کے صوفے پر آ بیٹھی۔

”اور پھر حمدان بھائی۔ سب ٹھیک ٹھاک۔“  
 بے تکلفانہ گویا ہوئی۔ حمدان نے بد مزہ سا ہو کر کئی بار  
 تھکی اپنی نظریں بشکل ہٹا کر برابر کے صوفے  
 دھنسی اپنی کزن کو دیکھا جو بے وجہ ہی بے کلک

حمدان آچکا تھا۔ ایشل اور مدح کیا گھر کا ہر فرد اس  
 کی شخصیت کے زیر اثر آچکا تھا وہ کوئی ساحر تھا۔ چہ  
 فٹ سے نکلتا تھا کٹھن اسے سب میں ممتاز کرتا۔ اس  
 کی رکشش آنکھوں کی چمک اس کے پورے چہرے کو  
 روشن رکھتی۔ اس کی کشادہ پیشانی پر گرے سیدھے  
 بل بینیں دھنکتا ”نونی“ ہناتا تھا۔ اس کی شخصیت کو



ہونے کی کوشش کر رہی تھی۔  
 ”جی۔“ روکھا اور مختصر سا جواب دے کر وہ بارہ  
 فی دی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ایٹل کو حیرت کا شدید  
 بندھنا لگا۔ اسے آج تک کبھی کسی نے یوں نظر انداز نہ  
 کیا تھا۔

”آفس کب سے جوائن کر رہے ہیں۔؟“ خود کو  
 تلی دے کر اس نے ایک اور کوشش کی۔

”کل سے۔“ چند سیکنڈز کے توقف کے بعد وہ بولا۔  
 اس بار نظریں فی دی پر ہی جمی رہیں۔ ایٹل کے تو  
 تلوؤں پہ مکی سر پہنچا۔

”میں آپ کے لیے چائے لاتی ہوں۔“ جلتی  
 جھتی اٹھتے اٹھتے بھی اخلا کا ”کہہ گئی، مگر دانت پیٹتے  
 ہوئے۔“

”جی شکریہ! میں پی چکا ہوں“ نظریں ہنوز فی دی پر۔  
 فٹے میں فون فلی کرتی چکن میں جا کر دم لیا۔ جہاں  
 مدح چائے بنا رہی تھی۔

”بدترین مڑو ہوتا نہیں سمجھتا کیا ہے خود کو۔“  
 ”کیا ہوا۔۔۔ کس کی شامت آگئی۔“ غصے سے

ڈانٹتے چیرو ھیلیٹی ایٹل کو مدح نے مڑ کر دیکھا۔ وہ  
 ایسی رات والے پلاؤ اور ڈھیلی ڈھالی شرٹ میں  
 مگی۔ اور چہرہ دھو کر خشک کرنے کی زحمت نہیں کی تھی  
 مگی کیونکہ کبھی جو کئی گرفت سے آزار ہلاؤں کی نہیں  
 پہرے کے دائیں بائیں چکی ہوئی تھیں۔

”میں اس گھر میں رہتی ہوں بلکہ یہ میرا گھر ہے  
 لیکن مجھے آج سے پہلے نہیں بتا تھا کہ بڑا کس چینل بھی  
 مارٹ فی وی پر آتا ہے اوپر سے ایسی ٹیوڈ دیکھو محترم  
 ما۔ جیسے یہ گھرانہ کا ہو اور ہم دو چار دنوں کے لیے

آئے ہوں۔“ مدح مسکرا دی۔ سمجھ گئی کہ حمران کے  
 ارے میں کہا جا رہا ہے۔

”کیوں؟ کیا کہہ دیا ہے چارے نے؟“  
 ”جو منہ بے جاہ کچھ کہہ کر تو دکھائے مجھے۔ مجھے  
 اپنے آنور کر رہا تھا، جیسے میں کوئی بچہ ہوں۔“ اس کا

ل نہیں چل رہا تھا کہ کیا کر ڈالے۔

”اچھا اگر تمہیں جی نہ سمجھتا تو پھر کیسے آنور  
 کرتا۔“ مدح نے اسے پھینکا۔

”کیوں وہ کوئی راجہ اندر ہے کہ آنور ہی کرتا۔“ وہ  
 اور جلی۔

”چھوڑو میں۔۔۔ بس ذرا ریزو دے اور کوئی وجہ  
 نہیں۔“ مدح نے کینٹ سے کپ نکالتے ہوئے اسے  
 تسلی دینے کی کوشش کی۔

”ریزو نہیں ہے مغرور ہے۔ امریکہ کا عرب ڈال  
 رہا ہے ہم پہ۔ مگر یہ جانتا نہیں کہ ہم امریکہ کو کچھ  
 نہیں سمجھتے۔ اب ذرا سی پیک بن لینے دو پھر دیکھنا کیسے  
 امریکہ کی ہوا نکلتی ہے۔“ مدح نے اچانک اس اندے والی  
 حب الوطنی پہ بمشکل اپنا قبضہ چھپایا۔

”میں تو آج تک محب بھائی کوون اینڈ اوٹلی سمجھتی  
 تھی۔ لیکن مبارک ہو بن! میرے بھائی میں ابھی  
 اخلاقیات باقی ہیں۔“ اب وہ اٹھ کر ڈینسر سے پانی پینے  
 مگی تو نظریں لان میں کھلنے والی کھڑکی سے باہر مگی۔ جہاں  
 گھر کے باقی افراد خالو کی کسی بات پر قہقہے لگا رہے  
 تھے۔

”کیس سے بھی یہ ان کا بیٹا نہیں لگتا۔“ پانی پی کر  
 بھی اس کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوا۔

”بریا بات ایشا۔ تم تو بھوں کے متعلق ایسے بات  
 نہیں کرتی تھیں۔“ اب وہ کپوں میں چائے نکال رہی  
 تھی۔

”مدح! تم میری سائیڈ پہ ہو اچھا! اور میری چائے  
 بھی باہر ہی لے آنا۔“ باہر سے آتے قہقہوں میں  
 شامل ہونے میں اسے زیادہ دلچسپی محسوس ہوئی، بہ  
 نسبت حمران کو کوٹنے کے

”ناشتا تو کر لو۔“

”میں ڈانٹنگ پہ ہوں۔“ ہانک لگاتے وہ یہ جاہو جا۔

”ناشتہ چھوڑ کر کون سی ڈانٹنگ ہوتی ہے پائل  
 لڑکی۔“ مدح کپ ٹرے میں رکھتی تاسف سے  
 منمنائی۔

کر کہتی وہ اس کے پاس آن کھڑی ہوئی۔

”بتا رہی ہوں۔ کیوں کہ تم تو اپنے حسن بالکل بے خبر ہو۔“ بے نیازی سے کہتی وہ وہاں ہاتھ پاؤں میں الجھ گئی۔

”اچھا تو تم ہی بتاؤ۔ کیسے اپنے حسن کی خبر لیں؟“ دھیمی مسکان کے ساتھ مدح بھی اپنے لائے ہلے سنوارنے لگی۔

”ہوں۔ اگر سیریس ہو تو میں تمہیں گائیڈ کر کم ہوں۔“ سامنے کے پاؤں کو ہلکا سا ٹوٹ دے گا پن لگا کر جیسے فارغ ہوئی۔

”ہاں نا۔ پلیز۔“ مسکراہٹ دباتے شرارت بولی۔

”تو سب سے پہلے تو اپنے پاؤں کو کوئی کٹھن سے نہیں تو سامنے سے ہی۔ اور اپنے بیگ میں فضول سی چیزوں کے علاوہ ایک چھوٹا سا پوچ میکا کا بھی رکھو۔ ہلکے رنگ کی لپ اسٹک ہر وقت لگا رکھا کرو۔ اور ہاں۔“ اس کے ارد گرد گھومتی رہے ماہر کی طرح اسے حسین لگنے کے گرتاری تھی۔

”سب سے بڑھ کر تو بڑی سی ادا میں سیکھو۔ سیدنا جاکے محب بھائی کے دل پر وار کریں۔ آخری جملہ شرارت سے جھک کر مدح کے کان میں جواب میں اس نے کھینچ کر ہینو برش اس کے ہاتھ مارا۔

”بہت فضول ہوتی جا رہی ہو تم۔ فوراً“ دو تین بار دے۔“ نے غلہ کھانچا نہیں سن کر کمر کی دیواریں بھی مسکرانے لگیں۔ آنکھوں پر لافٹ مسکارا اور اپنے دوپٹے کی ہمر رنگ لپ اسٹک لگا فارغ ہوئی۔ مدح کو دیکھ کر اپنا سر پٹ لیا۔ معمول طرح چٹپٹا ہانکے اور کاہل آگائے کھڑی مدح کو دیکھ کھول اٹھی۔

”ابھی کیا بتایا ہے تمہیں۔ بال کھولو اور یہ لمبا اسٹک ہی کاؤ۔“ مدح کے مقابلے میں اپنا آپ مسکرا اور لگے گا۔

مغلنی دور کے قلعوں کے دروازوں جیسا اونچا، چوڑا کسی ماہر کاریگر کے بنائے نقش و نگار سے مزین دروازہ۔ دروازے کی شان کو بھاتے بیرونی دیوار کے ساتھ ساتھ بنی کاری میں لگے پھول بونٹے خوش کن دورنگی چمکدار ٹانگوں سے سجائے گمارا ست۔ جس کے اطراف کھلتے رنگ کی گھاس کی عباسیں لپٹے دولان۔ وہیں لان میں کھڑے ہوؤں کو اپنی طرف متوجہ کرتا تیس پہ ہوا کھڑی کا کام۔ اور پھر گھر کے داخلی دروازے کے ساتھ خوب صورت چھوٹے بڑے پتھر سے بنی ایک مصنوعی آبشار۔ خوب صورت داخلی دروازہ۔ کشادہ چمکدار ٹانگوں کے فرش سے سجا لائے اور سب سے بڑھ کر جگہ جگہ کھڑی کے خوب صورت نقش و نگار جو دیواروں کو ایک دھیمسا سا تاثر دیتے۔

پاکستان آنے کے بعد یہ گھر وہ دوسری چیز تھی جو حیدرآباد میں آئی تھی۔ پہلی چیز سیما پھر پھر کے ہاتھ۔ ہاتھ کے پرانے تھے۔ وہاں کی پسند کو، اور پتا ہر کمرے پر چھو پھر کر دیکھتا رہا۔ ضروری سامان تھا۔ یہاں۔ یہاں ابھی بہت سارا سامان لانا باقی تھا۔ اب وہاں کی پہلی بیٹاؤں کے ساتھ بیٹاؤں سے بنا رہا تھا۔ اسٹ۔ دھیمسا سی اسے اندازہ ہو گیا کہ ابھی بہت پکڑتے تھے۔ بازاروں کے۔ وہیل ہی مل میں کمر گئے گا۔

بیک نیت کا لائٹ فراک پٹے وہ آئینے کے سامنے کھڑی اپنے سلیک پاؤں سے الجھ رہی تھی کہ آئینے میں اپنے مدح کے عکس کو دیکھ کر وہ فوراً پٹلی۔ مدح تپتی ٹکڑا ٹکڑا کھا فراک پٹے بڑے رنگ روم سے نکل گئی۔

”واؤ۔ مدح تم کتنی خوب صورت ہو۔“ ”نیشل“ مدح کا تعریف کرنے میں بھی بھی کجوسی سے کام نہیں لیتی تھی۔

”بتا رہی ہو یا پوچھ رہی ہو؟“ ”یہی۔“ کی طرح نیم ناپ

”ہلکی لگانا پلنر۔“ زردستی لپ اسٹک لگاتی ایٹل سے وہ احتجاج کرنے لگی۔

”بیچ کر سے ہلکی کوئی لپ اسٹک ہے ہی نہیں ہمارے گھر۔ گلاب دیکھو۔“ اسے آئینے کے سامنے آکھڑا کر دوا طلب نظروں سے دیکھنے لگی۔ کہ دروازہ نور سے کھلا۔

”آہی جاؤ تم لوگ کب سے تو ازیں دے رہی ہوں۔“ لاما بالکل تیار کھڑی حسب معمول ڈانٹ رہی تھیں۔

”تمہیں کا دوبارہ فون آچکا ہے۔ اور یہ کیا۔“ دوپٹا گلے میں ڈال کر نکلتی ایٹل کا چہرہ دیکھ کر لاما ٹھنک گئیں۔

”یہ بے ہودہ رنگ کی لپ اسٹک کہاں سے آئی تمہارے پاس؟ تاروا سے کوئی بکا رنگ لگاؤ مدح کچھ اسے بھی عقل دے دو۔“ بیٹھ کی طرح توپ کے گولے ایٹل پر دبا کر دینے چاہتی تھیں۔

”لال دوپٹا لال شوز اور لال برس کے ساتھ میں ابل لپ اسٹک ہی لگاؤں گی۔“ چٹو پیاؤٹ کر رہے ہیں۔ ”توپ کے گولوں کو بھامیں اٹاتی وہ یہ جاہو جالہ۔“ مدح حیران پریشان اس کو جاتا کرتی رہ گئی۔

”خالہ خالہ“

تمہیں خالہ کے گھر ان کا شاندار استقبال ہوا۔ نینے کا انتظام ان میں ہی کیا گیا تھا۔ ایک طرف بالٹی گولے لیے کوٹ دکانے جا رہے تھے۔ دھان سپلاؤ دکانے کے بعد ان لوگوں کی طرح متوجہ ہو گیا جو تنوں اور کتابوں کا سامان تیار کر رہے تھے۔ ماموں کی فیملی بھی اسام آباد سے آئی ہوئی تھی۔ ان کی بیٹیوں کی تیاری دیکھ کر تو ایٹل کو اپنی تیاری معمولی ہی لگی۔ خالو کے کچھ فریڈز اور حمدان کے دو ایک کونسلرز تھے۔ انہوں تو چمکتا پھر رہا تھا۔

”کس کا خون پی کر آئی ہو ڈریکولامیڈم؟“ اس کی لال لپ اسٹک پر چوٹ رتا وہ اسے زہر لگا۔ وہ بس گھور ہی سکی۔ کیونکہ لاما کی مستقل گھوریوں سے اس کا اعتماد

تھوڑا کم ہو گیا تھا۔ انہی گھوریوں کا اثر تھا کہ وہ اندر جا کر ٹشو پیپر سے لپ اسٹک کم کر آئی تھی۔

محب ہسپتال سے ہی آیا تھا۔ محب آج کل اپنے موبائل میں زیادہ بڑی پایا جاتا۔ اور آج بھی گید رنگ اور بے گلے سے زیادہ اسے موبائل میں دیکھی تھی۔ کسی اور نے شاید یہ بات نوٹ نہیں کی تھی۔ لیکن ایٹل کا سارا دھیان محب کی طرف تھا۔ شاید لا شعوری طور پر اس کی خواہش تھی کہ محب مدح کو دیکھے۔ زیادہ نہیں تو کم از کم ایک بار توجہ سے۔ لیکن توجہ تو کیا اس نے تو سرسری نظر بھی نہ ڈالی تھی۔ ایٹل کو اپنا دل بیٹھتا ہوا محسوس ہوا۔ اس احساس سے چمکا را مانے کے لیے وہ مدح کا ہاتھ پکڑ کر گھر کے اندر لے گئی۔ اذان انہیں پورا گھر دکھانا چھت پر لے گیا۔ اور جلد ہی وہ پورے چاند کو بادلوں کی اوٹ سے جھانکتے دیکھ کر سب بھول گئی۔

”خالہ“

”خالہ کا گھر کس قدر خوب صورت۔ مدح۔“ کلیننگ مین کے چہرے کا مسان کرتے ایٹل نے ایٹل سے حریف لی۔

”موبائل۔“ موبائل پہ بڑی مدح نے ہاتھ ہی ڈرا۔

”اور خالہ خود بھی قیمتی پیاری اور سادہ ہیں۔ کوئی جھوٹا رنگہ رکھو یا دیکھو! ہمیں ان میں۔۔۔ حسان بھائی کے نہ آنے پر کوئی جھوٹا ہمانہ نہیں تراشا۔ بلکہ سب کو سچ ہی بتایا کہ کس طرح گھدی نے اپنے پائٹل میں پھنسا لیا ان کے معصوم کو۔“ اس نے قہقہہ لگایا۔

”اور یہ بتاتے ہوئے کیسے ان کے چہرے کے رنگ بجھتے اور چند لمحوں بعد پھر نارمل ہو جاتے۔“ اب ٹشو سے چہرہ صاف کر رہی تھی۔

”صرف خالہ اور گھری پسند آیا یا ان کے بچے بھی؟“

موبائل سائینڈ ٹیبل پہ رکھ کر مدح نے شرارت سے پوچھا۔



”بچے! ترس آتا ہے غالبہ پردوں ہی انبار مل ایک  
کا اسکر پائلٹ ڈھیلا اور دوسرے کے سارے اسکر پو  
زنگ ٹوڈ۔ ایک ٹوٹھ پیٹ کا اشتہار لور دوسرے  
کے جیسے دانت میں درد ہو۔“ اس کی تشبیہات سن  
سن کر منہ نہ رہی تھی۔ گلابی چومزید گلابی ہو گیا۔

\*\*\*

تمینہ اور اسفر صاحب لاؤنج میں بیٹھے رات کے  
فنکشن کے بارے میں ہی بات کر رہے تھے کہ  
بیڑھیوں سے اترتے حیدر ان کو دیکھ کر دونوں مسکراتے  
متوجہ ہوئے۔

”السلام علیکم۔“ ہائٹ ٹراؤزر شرٹ میں ملبوس  
الجھے بالوں کے ساتھ صوفے پر ڈھے سا گیا۔  
”وعلیکم السلام۔“ کیا ہوا برخوردار! کچھ زیادہ ہی  
تھک گئے کیا۔؟“ اسفر صاحب شرارت سے گویا  
ہوئے۔

”بہت۔ واقعی صبح سن رکھا تھا کہ یہاں کے لوگ  
فیملی گید رنگ میں ساری ساری رات بھی جاگ سکتے  
ہیں۔“ رات تین بجے ختم ہونے والی پارٹی پہ وہ کافی  
حیران تھا۔

”کیوں؟ تمہیں اچھا نہیں لگا کیا؟“ تمینہ نے  
الجھن سے پوچھا۔

”اچھا لگا۔ بلکہ میں تو سوچ رہا تھا کہ اچھا ہے ہمارے  
بچوں کا بچپن ہمارے جیسا نہیں ہو گا۔ کچھ بڑا گلا ہو  
گا ان کی لائف میں۔ بس یہ ہے کہ مجھے تھوڑا  
اسٹیمنا بڈ کرنا پڑے گا۔“ اس کی بات ختم ہونے سے  
پہلے ہی تمینہ اور اسفر صاحب نے بے اختیار ہی ایک  
دوسرے کی طرف مسکراتے لبوں کے ساتھ دیکھا گویا  
حیدر نے یہ بات کر کے ان کی کوئی مشکل آسمان کر دی  
ہو۔

”یہ تو ہے۔ تو پھر کیا خیال ہے؟“ تمینہ پیار سے  
حیدر ان کو دیکھتے ہوئے بولیں۔

”کس بارے میں؟“ فیمل پر پڑا میگزین اٹھاتے

ہوئے وہ چونکا۔

”شادی کے بارے میں برخوردار۔“ اسفر صاحب  
مسکرائے۔

”شادی کا یہاں کیا ذکر؟“

”اصولاً تو بچوں کے ذکر سے پہلے شادی کا ذکر ہونا  
چاہیے تھا۔ لیکن تم نے ترتیب خود ہی الٹی کر دی۔“  
تمینہ مسلسل مسکراتی تھیں۔

”ہوں۔ تو یوں کہے تاکہ آپ کو میری اہل آرام  
کرتی ہوئی پائلٹ اچھی نہیں لگتیں۔ اب ذرا سکون  
ہوا ان کی زندگی میں تو ہو ڈھونڈنے کی مشقت میں لگا  
دیں ان کو۔“ میگزین کی ورق گردانی کرتا وہ مصروف  
سا بولا۔

”مجھے بھی اس ڈھنڈیا میں نہیں پڑنا بیٹائی۔ ہو  
میں ڈھونڈ چکی ہوں تم ہاں کرو تو میں بات چلاؤں۔“  
تمینہ تو جیسے بھیلی پہ سرسوں حملے چلی تھیں۔

”ہیں۔ کون؟“ وہ اتنی جلدی پر بڑبڑا سا گیا۔  
”انٹی ایشل اور کون۔؟“ اہل تو یوں بولیں جیسے  
اور کوئی گنجائش ہی نہ ہو۔

”کون ایشل؟ ایشل!“ تھوڑا الجھا پھر شہادت کی  
انگلی صحن کی جانب اشارہ کر کے ایشل کہا۔ گویا وہ ابھی  
بھی باہر صحن میں بیٹھی ہو۔ اہل کی تصدیق نے تو گویا ہلا  
کر رکھ دیا۔

”لگتا ہے آپ کی تھکاوٹ ابھی اتری نہیں۔؟“  
میگزین بند کر کے ایک طرف رکھا۔

”کیا مطلب۔؟“ تمینہ اپنی بات کے جواب میں  
یہ بات توقع نہیں کر رہی تھیں۔

”آپ تھوڑا ریسٹ کریں۔ بلکہ ایسا کیوں نہیں  
کرتے آپ لوگ۔ کہاں گئے تھے آپ لوگ، بنی  
مون پہ اہل۔ آپ کی فیورٹ جگہ۔“ وہ دماغ پہ زور  
دیتا کھڑا ہو گیا۔

”ارے ہاں نارائن کائنات۔ وہیں جائیں کچھ دنوں  
کے لیے۔ انجوائے کریں، پھر سے پرانے دن یاد  
کریں۔“ وہ اہل کی بات ہوا میں اڑاتے مفت میں

”نہیں اہل۔ پرائیبل نہیں۔“ وہ جڑ بڑ ہوا۔  
 ”کیوں؟“ اہل بھند تھیں۔  
 ”بچی ہے وہ اہل۔ کم از کم بھی آٹھ دس سال  
 چھوٹی ہوگی مجھ سے۔“ وہ بھی دودھ ہوا۔  
 ”نہ نے آٹھ سال۔“ اہل نے گویا تھمکی کی۔ وہ بے  
 ساختہ مسکرا اٹھا اور کتاب کے پیچھے ابا بھی۔  
 ”وہی تو۔ یہ کم ہے کیا؟“  
 ”تمہارے ابا مجھ سے دس سال بڑے تھے۔“  
 ”تو؟ ابا سافٹ ویئر انجینئر بھی تو نہیں تھے۔“

مشورہ دیتا بیڑھیاں چڑھنے لگا۔  
 ”اور ہاں۔“ نکلنے سے پہلے ایک کپ کافی اوپر بھجوا  
 دیں۔ ”تمہیں ہنگامہ کا اس کو چاہنا تو چھٹی رہ گئیں جبکہ اسفر  
 صاحب کا تقہر بے ساختہ تھا۔  
 ”ہنا معقول۔“ تمہینہ بیڑھانے لگیں۔  
 ”ہنا معقول نے بات بہت معقول کی ہے۔ تو پھر کیا  
 خیال ہے۔ کل کی لکٹیں کروالوں۔“ اسفر صاحب  
 کے شرارتی لہجے پر تمہینہ کے چہرے پر بکھری ناگواری کی  
 جگہ مسکراہٹ نے لہل۔

\*\*\*

شرارت سے بولا۔  
 ”وہ بہت اچھی، سلجی ہوئی بچی ہے۔“ اہل ایشل  
 کی تعریفیں کر کے اسے رام کرنے لگیں۔  
 ”جی سہی تو۔ بچی ہے۔“ قد نکھل لیا تو کیا ہوا؟ بچپنا  
 ہے ابھی اس میں اہل!“  
 ”اس کی خوش مزاجی کو بچپنا کہتے ہو تو کہتے رہو۔  
 مجھے تو ایسی ہی سوچا ہے سن لو تم بھی۔“ اہل نے ہاتھ  
 بھاڑے۔  
 ”تو ضرور بناؤ اس سے ہو اہل! لیکن اذان کے  
 حوالے سے اور پلیز اس ٹاپک کو کلوز کریں اور ایک  
 کپ کافی پلوادیں۔“ وہ شاکی نظروں سے ابا کو دیکھتا  
 بیڑھیاں چڑھ گیا۔ اور پھر سلسلہ رکنے کی بجائے  
 بڑھنے لگا۔ ناشتے کی میز پر، اس سے واپسی پر۔ چھٹی  
 کے دن۔ گویا اہل نے ضد پکڑ لی ہو۔  
 اور تو اور اذان بھی کسی سے کم نہیں تھا۔ ”بھائی  
 ابھی ہاں نہ کرنا۔ مجھے پہلے کسٹرم کر لینے وہ کہہ اپنی  
 کھٹکس لے کر آئے گی یا نہیں۔“ اور وہ بس بیڑھانا  
 جاتا۔ لیکن بیڑھانے سے کام نہیں چلنے والا تھا۔ اس  
 نے ابا سے بات کرنے کی ٹھان لی۔  
 ”ابا! کیا آپ بھی یہی چاہتے ہیں؟“ وہ عشاء کی نماز  
 کے بعد واک ٹیمے بہانے ابا کو نہر کنارے لے آیا تھا۔  
 مختلف آبی جانوروں کے مجسموں سے جی نہر کے اوپر  
 جلتی بجھتی روشنیوں کا عکس ابا کے متفکر چہرے پر بھی  
 آ رہا تھا۔  
 ”میں تمہاری ماں کو خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس

آج کل وہ بہت تھکنے لگا تھا۔ وہ پہلے بھی بہت کام  
 کرتا تھا۔ کبھی کبھی تو بارہ گھنٹے بھی۔ لیکن یہاں نئے  
 لوگوں اور نئے طریق کار کو سمجھنے میں اسے کافی وقت  
 لگ رہا تھا۔ آج کل گھنٹہ شمار لینے کے بعد وہ خود کو  
 تروتازہ محسوس کر رہا تھا۔ اہل نے شروع سے اصول  
 بتا رکھا تھا کہ اگر آپ سو نہیں رہے یا ضروری کام نہیں  
 کر رہے تو گھر والوں کے ساتھ بیٹھیں۔ الگ تھلک  
 کرو بند کر کے بیٹھنے کو بہت برا سمجھا جاتا تھا۔ وہ فریٹش  
 ہو کر لاؤنج میں ہی چلا آیا۔ اہل دیکھتے ہی بلا میں لینے  
 لگیں۔ حسب معمول۔  
 ”کیا سوچا پھر تم نے بچے۔“ معمول کی بات چیت  
 کے بعد اہل گویا ہو میں۔  
 ”کس بارے میں۔“ خدا جانے معمول چکا تھا یا  
 قصداً بھولا بن گیا۔  
 ”شادی کے بارے میں۔“ ایشل کے بارے  
 میں۔ ”اہل جنملا میں۔“  
 ”اذان آج لیٹ نہیں ہو گیا۔؟“ آج پھر ٹالنے  
 کے موڈ میں تھا۔  
 ”تمہیں ایشل اچھی نہیں لگتی کیا۔؟“ اہل نے  
 تفکر سے پوچھا۔ ابا تو گویا ان دونوں سے بے خبر کسی  
 کتاب میں غرق تھے۔  
 ”اہل۔ پلیز۔“ جلتی ہوا۔  
 ”تو کوئی اور۔؟“ دل میں بیٹھے ناگ نے سراٹھایا۔

”میں نے بچپن سے آج تک تم لوگوں پر اپنی مرضی نہیں تھوپی۔“ اہل دودھ کا گلاس کمرے میں دینے آئی تھیں۔ چھوٹی موضوع۔  
”جوئے کپڑوں سے لے کر برہائی تک۔ سب کچھ تم لوگوں نے اپنی مرضی سے کیا۔“ وہ عدو حال سی تھیں۔

”تو اب کیوں اہل؟ اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کو آپ نے ہماری مرضی پہ چھوڑ دیا لیکن ہماری زندگیوں کے سب سے اہم فیصلے میں ہماری مرضی کو اہم نہیں سمجھ رہیں۔ جبکہ اب ہم بچپور ہیں۔ کیوں اہل؟“ وہ متاسف سا بولا۔

”یہ میری خواہش ہے بچے اور جہاں تک بچپورٹی کی بات ہے تو حسان کی بچپورٹی دیکھ چکی ہیں۔“ وہ چپ سا ہو گیا۔ حسان کی حرکت اس کی راہ کی رکاوٹ تھی۔

”کیس تم بھی تو کسی گوری سے عہد نہیں باندھ آئے؟“ وہ مشکوک سے انداز میں دیکھنے لگیں وہ گڑبڑا گیا۔

”ارے نہیں اہل! مجھے اس رشتے سے مسئلہ صرف عموں کے فرق سے ہے۔“ وہ خاموش ہوا۔

”ایشل کے علاوہ بھی تو اور لڑکیاں ہیں خاندان میں جیسے مدح۔“ گلا کھٹکھا کر اس نے مدح کا نام لیا۔

”تم مدح میں انٹرنل ہو۔؟“ کسی نقیشتی افسر جیسی کرحشی کے ساتھ پوچھا گیا۔

”ارے نہیں اہل! انٹرنل نہیں ہوں بلکہ مجھے وہ ایشل کے مقابلے میں سمجھ دار لگی۔ بس۔“ کنفوژس ہو گیا۔

”اگر نہیں ہو تو اچھی بات ہے۔ اور اگر ہو تو اپنی ذہن سے اسے نکال دو کیونکہ وہ بچپن سے ہی محب سے منسوب ہے۔“ لہجہ سخت ہوا۔

”تمہارے لیے صرف ایشل ہی پسند ہے مجھے۔ اگر ہاں کر لو گے تو خوشی ہوگی مجھے۔ اور اگر نہیں تو۔“ وہ ذرا سار کہیں۔

”حسان کے بغیر نہ سکتی ہوں تو تمہارے بغیر بھی نہ

نے میرے ساتھ بست دکھ سے ہیں۔ میری ضد پر پردیس کاٹا ہے۔ جب میرے پاس کوئی کام نہیں تھا تو اس نے دودھ مشینوں میں کام کر کے ہم چاروں کا پیٹ بھی پالا ہے اور پھر میری جلی کئی بھی مبر سے سنی ہے۔“ اپنی پھلی دیکھ کر گویا پچھتا رہے تھے۔  
”اور اب حسان نے جو دکھ دیا ہے۔ بست رو چکی ہے۔“

”لیکن ابا! اہل کو اپنی خوشی صرف ایشل میں کیوں نظر آ رہی ہے؟ ہو سکتا ہے کوئی ایسا آپشن تلاش کر لیا جائے جس میں ہم دونوں کی خوشی ہو۔“ وہ ابا کے جواب سے جھنجھلا سا گیا۔

”ہم دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ وہ بست اچپور ہے۔ آپ مجھے جانتے ہیں میں ایسا بندہ نہیں ہوں۔ میں تھوڑا کھدرا انسان ہوں۔ مجھے صبر و برداشت والی بچپور لڑکی چاہیے جو مجھے سنبھالے نہ کہ میں اس کے ناز نخرے اٹھاؤں۔“ وہ جیسے تھک کر چپ ہوا۔

”ہوں۔“ ابا جیسے کسی سوچ میں ڈوبے۔

”لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے بیٹا کہ اگر تم توجہ دو تو تمہاری ماں کی خوشی ہی تمہاری خوشی بن جائے۔“

”اسپا سئل۔“ ابا سے بات کرنا فضول ہے۔ اسے اندازہ ہو چکا تھا۔

جبکہ دوسری طرف ایشل ڈنبر سلکٹ کیے کپڑوں کے ساتھ میچنگ سیٹل ڈھونڈتی ایشل اس بات سے بالکل بے خبر تھی کہ اس کی ذات نے حسان اسفر کی زندگی ایشل پھل کر دی تھی۔ کچھ شرٹس خریدنے وہ اپنے کو لیکز کے ساتھ مل آیا تو ہستی کھلکھلائی ایشل کو دیکھ کر اسے پھر اہل یاد آئیں۔ اس کے ساتھ مدح بھی تھی جو اس کی پڑ پڑ چلتی زبان کے جواب میں بس مسکرا رہی تھی۔ اس نے یکدم نظر ہٹانا چاہی کہ کہیں اس کے کو لیکز کچھ غلط نہ سمجھیں۔ لیکن پھر کچھ خیال آنے پر اس نے لپٹ کر مدح کو دبھکا۔ بست غور سے نظر بھر گئی۔ اور مسکرا کر آگے بڑھ گیا۔





لوں گی۔" پہلے گلارندھا اور ساتھ کب سے اگلے آنسو  
گلوں پر بنے گئے۔

"نہیں اہل! نہیں رونا نہیں۔" وہ بوکھلا گیا۔  
"نوبلیک میلنگ۔ میں اس بلیک میلنگ میں بالکل  
نہیں آنے والا۔" پنادایاں بازو اہل کے کندھوں کے  
گرد پٹ کر وہ بے بسی کی تصویر بنا اہل سے زیادہ خود کو  
نسل دینے لگا۔

"جیسے آپ کی مرضی اہل۔ مجھے کوئی اعتراض  
نہیں۔" اگلی قہقہہ ناشتے کی ٹیبل پر اس نے اہل کو مڑا  
جاں سنایا۔

"میرا بچہ! دیکھا تو نے اہل کا کچھ لٹھنڈا کیا ہے۔ اللہ  
جیسے بڑے بھگ لگائے گا۔ ان شاء اللہ۔" فرط  
جذبات سے پھر آنسو آگئے۔

"لیکن آئندہ میں آپ کو روتا نہ دیکھوں کبھی۔" وہ  
بلیک میلنگ میں نہ آنے کا دعویٰ کرنے والا ایمو سنل  
بلیک میل ہو چکا تھا۔ لیکن ابھی اسے ثابتانہ مدد کی امید  
تھی کہ کاش ایشل کے گھر والے انکار کر دیں۔

آفس میں روز کے کام نمٹاتے ایک ٹانائوس نمبر  
سے بار بار گل آرہی تھی۔ دوبارہ نظر انداز کرنے کے  
بعد تیسری بار بالآخر اس نے اٹھ لیا۔

"کل خالہ ہمارے گھر آئی تھیں اور آپ جانتے  
ہوں گے کہ کس مقصد سے، میں نے فون اس لیے کیا  
ہے کہ آپ انکار کر دیں۔" رکھی سلام دعا کے بعد  
جب وہ بولی تو لہجہ صاف اور مضبوط تھا۔

چند ثانیے تو وہ کچھ سمجھ نہیں پایا جب سمجھ میں آیا تو  
بے ساختہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"ایشل؟" گویا تصدیق چاہی۔  
"جی۔" ہموار لہجہ۔

"تو آپ کیوں چاہتی ہیں کہ میں انکار کر دوں؟"  
پریشانی کے بادل گویا چھٹنے کو تھے۔

"کیونکہ آپ سے مجھے شادی نہیں کرنی۔" ترکی بہ  
ترکی۔

"اور کیوں شادی نہیں کرنی؟" وہ مزید ریلیکس  
ہوا۔

"کیونکہ۔" وہ تھلا اٹھی سوینا مگی لپٹی بولی۔  
"آپ انتہائی خشک مزاج انسان ہیں اور پلیزنا سنڈ  
کچھ گائیے بندے سے دوستی نہیں کر سکتی تھلوی تو  
دور کی بات۔" صاف اور سیدھی بات ہی اس کا خالص  
تھی۔ لیکن بات کا اثر کچھ الٹا ہوا تھا۔ وہ تو قہقہہ لگا کے  
بننے لگا تھا۔ آسودہ قہقہہ۔

"اف میرے خدا۔" اک یہی بات تو مجھے اپنی اہل  
کو سمجھاتے دو مہینے ہو چلے تھے۔ آپ تو بہت ہمدرد  
ٹکلیں ایشل لپٹی۔ "وہ بات کرتے ہوئے ہنس رہا تھا۔  
"مجھے اپنی تعریف نہیں سننی۔ بس یہ کہتا تھا کہ  
آپ انکار کر دیں۔" اب کہ لہجہ اتنا صاف نہ تھا۔ وہ  
جزبہ بولی۔

یہ احساس کہ صرف وہی نہیں حمدان بھی اس سے  
شادی نہیں کرنا چاہتا عجیب تک آمیز تھا۔ وہ تو سوچ  
بیٹھی تھی کہ وہ اس کے غرور کو چکنا چور کرے گی۔  
اسے ٹھکرائے جانے کا صدمہ دے کر۔ یہاں تو وہ خود  
صدمے سے دوچار ہوئی جا رہی تھی۔

"میں بھی یہی کہہ رہا ہوں کہ میں اپنی سی کوشش کر  
چکا۔ اب انکار تو آپ کو ہی کرنا پڑے گا۔ میری  
پروجیشن ذرا مختلف ہے مگر آپ تو سنا ہے لاڈلی بھی بہت  
ہیں اور اگلی تو ہیں ہی۔" ایشل نے فون ٹھک سے  
بند کر دیا۔ چہ جیسے دھواں دھواں ہو رہا تھا اور آنکھوں  
میں انکار سے دھبہ رہے تھے۔ ایشل جاوید کو رہ چمکٹ  
کیا گیا۔ یہ سوچ کر ہی غصے سے انگلیاں کپکپانے  
لگیں۔ خالہ کا پروپونزل اور اب حمدان کا انکار۔ یکے  
بعد دیکرے دو دھماکے کل رات ہی تو بیابانے اپنے  
کمرے میں بلا کر اس پروپونزل کا بتایا۔

"فوراً" سے پہلے انکار کر دیں بابا۔" بلا تو نقد بولی  
تھی۔

"دیکھا میں نے کہا تھا جاوید۔ کوئی فائدہ نہیں بات  
کرنے کا۔" لمانے ٹیکے چترنوں سے اسے گھورتے  
ہوئے کہا۔

"تائبہ۔" میں بات کر رہا ہوں نا۔ وہ بہت اچھا  
لاکا ہے بیٹا۔" لاما کو سرزنش کے بعد بابا بولے۔

جو اس کے چہرے کے نقوش میں رنج بس گئی تھی۔  
آج مغفوت تھی۔ لیکن توجہ کے برعکس جب اہل کو  
سب کا منہ ہٹھا کر دیکھا تو ساری ہشاشت رونو چکر  
ہو گئی۔

”تابندہ نے ہل کر دی ہے۔“ اہل کو تو ہفت اقلیم  
کی دولت مل چکی تھی جیسے۔ وہ چاہتے ہوئے بھی کچھ  
نہ بول پایا۔ اپنے کمرے میں آتے ہی اس نے ہسلا کا  
ایشل کو فون کرنے کا کیا۔ مگر وہ بھی اسے نام کی ایک  
تھی۔ ایک دو تین۔ اس کی ہر کوشش بے سود۔  
بالآخر اس نے سب کچھ اہل کو بتانے کا فیصلہ کر لیا۔

رات بارہ بجے تک حمدان کی کالز آتی رہیں، لیکن  
اس نے ہر بار انکوار کریں پھر یہ ان  
بعد وین کا انتظار کر رہی تھی تو خالہ کا فون آ گیا۔ جو کہ  
متوقع تھا۔ خود کو تیار کرتے ہی اس نے فون اٹھا لیا۔

”وعلیکم السلام۔ کیسی ہو میرے بچے؟“  
”ٹھیک ہوں خالہ۔ آپ سنائیں۔“ شور سے  
بچنے کے لیے وہ ایک طرف ہو گئی۔

”کیا تم اس رشتے سے خوش نہیں ہو بیٹا؟“ براہ  
راست خالہ نے پوچھ لیا۔

”آپ کو کس نے کہا خالہ؟“ معصومیت۔

”حمدان کہہ رہا تھا کہ تم نے اسے کال کی تھی۔“

نظر انداز۔

”میں نہیں خالہ۔ حمدان بھائی اس رشتے سے

خوش نہیں ہیں۔“ کال کس نے کی یہ بات چھپا گئی۔

”اس نے یہ کہا تمہیں؟“ تھوڑا غصہ آیا۔

”جی خالہ۔ اور ویسے بھی اگر وہ خوش نہیں ہیں تو

آپ زبردستی نہ کریں پلیز۔“ اپنی مرضی بالکل چھپا

گئی۔ درحقیقت وہ حمدان کا کندھا استعمال کر رہی

تھی۔

”ارے بیٹا۔ تم دونوں بچے ہو ابھی۔ ایک

دوسرے کو سمجھو گے تو دعائیں دو گے ہمیں۔ اس کی

تم فکر نہ کرو میرا حمدان بہت اچھا بہت محبت کرنے

والا ہے۔ یہاں پہلے میرا۔ پھر فیکٹے جوڑ ہو گا تم دو گوں

کا۔ ان شاء اللہ میں تو ڈری کی تھی۔“ خالہ نے تو یہ

”لیکن وہ حمدان بھائی ہیں بابا۔ مجھ سے کتنے بڑے  
ہیں وہ۔“ بابا کے اصرار پر وہ حیران تھی۔ بھائی پر نور  
دیا۔

”عموں کا فرق ایسی ٹھوس وجہ نہیں ہے بچے! جس  
کی وجہ سے ہم اتنے اچھے رشتے کو انکار کریں پھر یہ ان  
کی خواہش ہے تمہاری خالہ نے بہت مان کے ساتھ  
تمہارا ہاتھ مانگا ہے۔“ بابا گویا ان کے وکیل بن گئے  
تھے۔

”لیکن بابا مجھے حمدان بھائی نہیں پسند۔ پلیز۔“

اسے لاما کی شعلہ بار نظروں سے خوف آنے لگا۔

”رہنے دیں جاوید۔ ہم صرف ان کے جوتے

کپڑوں اور بڑھائی کے اخراجات اٹھانے کے والدین

ہیں۔ ان کی شادی یا ان کی تعلیم سے متعلق کوئی فیصلہ

کرنے کا اختیار ہمیں ہے ہمارے پاس۔“ لاما تو غصے

میں پرانے حساب بھی برابر کرتے لگیں۔ ایشل کی

میڈیکل کے بجائے فائن آرٹس میں جانے کی ضد پلما

ابھی تک خائف تھیں۔ وہ اپنے ماں باپ کے رویے

پر حیران ہوتی وہاں سے آگئی تھی اور بہت سوچ کر

حمدان کو فون کیا اور وہاں سے بھی ہلکے آمیز جواب سن

کر اب جلی بھنی بیٹی آگے کلا تھ عمل طے کر رہی

تھی۔

یہ تو طے تھا کہ حمدان اسراف سے شادی نہیں کرنا

چاہتا تھا لیکن فرما بیواری کی سند حاصل کرنے کے لیے

ماں کے بیٹھا تھا۔ اور اب وہ ایشل کی طرف سے انکار کا

منتظر تھا۔

”لیکن حمدان اسراف میں چھوٹی ضرور ہوں، یہ تو ف

نہیں۔ انکار تو تم ہی کرو گے۔“ آنے والے دنوں میں

گھر میں پیدا ہونے والے حالات کے قطع نظر ایشل

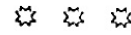
جاوید، حمدان اسراف کی ہندو کی لیے اپنا کندھا استعمال

نہ کرنے دینے کا تہیہ کر چکی تھی۔

آج جب وہ آفس سے گھر آیا تو ہشاش بشاش تھا۔

پچھلے کئی دنوں سے ایک عجیب سی آکٹا ہٹ اور تھکاوٹ

ہی السودی تھی وہ سر پہ ہاتھ رکھ کے بیٹھ گئی۔



نظر انداز کیا گیا اس سوئڈوڈل کے کوجانتے ہی نہ ہوا۔  
سواس نے بھی کوئی مصروفیت ڈھونڈنے کے لیے اہلی  
جیسیں ٹولیں۔

”اذان! امیرا موبائل؟“ اسے یاد آیا کہ اذان نے  
تصویریں دہانے کے لیے لیا تھا۔

”صبح آپ کی کپاس۔“ گیٹ سے گاڑی نکالتے  
ہر آواز بلند ہو لالہ اور زن سے گاڑی لے اڑا۔

”حد سے ویسے۔“ اس کی عقل پر ماتم کرتا وہ بھی  
اماں ابا کے پیچھے لاؤنچ میں آگیا۔ اسے کچھ مہلن چپک  
کرنا تھیں۔ صبح اور ایشل تو اپنے کمرے میں جا چکی  
تھیں۔ اس نے ارد گرد دیکھا، عابدہ ابھی باہر چمکیا  
سمیٹ رہی تھی۔ کچھ سرج کر وہ خود ہی بیڑھیاں چڑھ  
گیا۔

”بس کرو ایشل! اور کتنا روڈ گی۔“ ایشل کی  
سکیوں کے درمیان ابھرتی صبح کی پریشان سی کوا  
نے دستک کے لیے بڑھتا اس کا ہاتھ روک دیا۔

”تم کیوں نہیں رو رہیں صبح۔“ تم بھی رو میرے  
ساتھ۔“ بچکیوں کی زد میں گھری ایشل لی آواز سن کر  
وہ از حد پریشان ہو گیا۔

”جیسے بتا رہا تھا رو پیل۔“ مجھے اب خوش ہوا  
سے تمہاری خوشی میں۔“ صبح نے گویا اس کو خوشی کا  
احساس دلانا چاہا۔

”خوشیاں ایسی ہوتی ہیں صبح۔“ جو ہا، نہیں ہا  
چاہے تھا۔ ”رونا پھر سے شروع ہو چکا تھا۔“

”بس کرو میری جان۔“ سمجھیں پتا ہے تم دونوں  
اتنے اچھے لگ رہے تھے ساتھ میں۔ اتنی پیاری اور  
مکمل جوڑی۔“ حمدان اپنی عادت کے برعکس ان کی  
باتیں سنتا خود کو قصور وار ٹھہرا رہا تھا۔

”جی۔“ ”سکیاں بیٹے بچوں کے سے انداز میں  
پوچھا گیا۔ وہ بھی مسکرا اٹھا۔“

”جی۔“ اور پتا ہے حمدان جیکے جیکے تھیں دیکھا  
تھا۔ میں نے خود دیکھا۔“ جھوٹی لڑکی حمدان نے سہا  
مسکراتے ہوئے۔

”لیکن اچھا نہیں ہوا۔“ ایشل کی سوتی دہیں اگ

سلور گرے کلر کے بھاری کادار غرارے میں  
ڈیرافنر جیولری پہنے یہ وہ چلبلی سی لاپرواہ سی ایشل تو  
نہیں تھی۔ یہ تو کوئی مغلیہ دور کی شہزادی لگ رہی  
تھی۔ جو کسی دھمکی شاعر کے جھپکے لہجوں میں ڈھلی اسٹیج  
پر بیٹھی ہو۔ فوٹو گرافر کی کلک کے ساتھ ابھرنے والے  
قدیس سے اس کی آنکھوں میں اگے موتی صاف نظر  
آتے تھے مگر صرف دیکھنے والے کو اور وہاں کوئی اتنا  
فاسخ نہیں تھا جو ان بے رنگ موتیوں کو دیکھتا۔ وہاں  
تو ہر کوئی اپنے اپنے سوگ کے موتی چن رہا تھا۔  
قمقموں سے سجایا گیا لان، پھولوں سے بھرا اسٹیج ڈی

جے کے بجائے جانے والے روڈی گانے، اذان کی  
چمکائیں۔ کچھ بھی ماحول کی اداسی کو کم کرنے میں  
کامیاب نہیں ہو رہے تھے۔ اور کسی نے اس اداسی کو  
محسوس کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ تمیز اور اسفر صاحب نے  
ضرور محسوس کیا۔ جی و ناراشر ناراض سے بلیک  
ٹوئیں میں ملبوس اپنے شہزادے کو دیکھتے اور بھی جب  
جب سے تباہ اور جا بجا کو دو چار بار پوچھنے کی کوشش  
کی، ٹیلی فون موبائل کی موڈ میں۔ پوچھتے۔

”مفتی کی یہ تقریب اپنی نوعیت کی منفرد تقریب  
تھی۔ جس میں دو سو سالوں کی خانقاہ سے تھے۔  
دین کے چہرے پر تو چھو پھر بھی تم کا ساتھ تھا۔ لیکن  
وہ صاحب کا چہرہ، ایشل جے ناٹ اور سیات تھا۔ کوئی  
اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ دو گنا۔ اس وقت کیا سوچ رہا  
تھا۔ اس انو بھی تقریب میں انگوٹھیاں پہنانے کی رسم  
کئی دونوں کی اماؤں نے ادا کی۔ تقریب ختم ہوتے ہی  
اسٹیج پر بیٹھے دونوں مجسموں نے ”تھ کا سانس لیا۔ گھر  
کے بڑے مہمانوں کو الوداع کرنے گئے، محب تو  
تقریب ختم ہونے سے پہلے ہی کہیں چلا گیا تھا۔ سو  
اندرون شہر کے کچھ مہمانوں کو، راپ کرنے کی ذمہ  
داری اذان کے سر آئی۔ حمدان نے اشاروں ہی  
اشاروں میں اماں ابا کو چلنے کا کہا، لیکن انہوں نے یوں



تھی۔  
 ”اف۔“ مرچ کی آستلی آواز کے ساتھ وہ بھی آگیا۔  
 ”اسے لگا جیسے وہ ریڈیو پر کوئی ٹیچر کا نام سن رہا تھا۔ ہر حال وہ سیلز چیک کرنے کا ارادہ ترک کر کے واپس مڑا۔ میری وجہ سے ایک لڑکی کی آنکھوں میں کتنے آنسو آئے۔ وہ خود کو اپنے والدین کو قصور وار ٹھہراتا بیچہ اتر آیا۔ لیکن وہاں ایک اور کہانی اس کی منتظر تھی۔ مرچ اور ایٹل کے مکالمے کا اہم اب گھل گیا تھا۔

”اس لڑکے نے تو کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا مجھے۔ یہ تابندہ تھیں جو محب کی درگت بنا رہی تھیں۔ کیونکہ محب نے مرچ سے شادی سے انکار کر دیا تھا۔

”میری تو خواہش تھی کہ ایٹل اور حمدان کے ساتھ ان دونوں کی بھی رسم کروں گے۔ لیکن۔“ پھر آنسو۔  
 ”اف پاکستانی عورتیں کتنا روتی ہیں۔“ حمدان بس سوچ ہی سکا۔ اسے اس جذباتی ماں سے بچلے بھروسے نہیں ہو رہی تھی۔ بلکہ اس کے خیال میں اگر محب شادی مرچ سے نہیں کسی اور سے کرنا چاہتا ہے تو مضائقہ کیا ہے۔ لیکن ان پاکستانی ایمہ شغل ماؤں کا کیا کیا جائے۔

”تو مرچ ایٹل اپنے رشتے کی وجہ سے نہیں بیکہ مرچ کا رشتہ نہ ہونے کی وجہ سے دور رہی تھیں۔ میں یونسی شرمندہ ہو رہا تھا۔“ وہ بکا بکا ہو کر باہر اٹھ آیا۔  
 اب اسے شاید وہ موبائل لانے کا گناہ تھا۔

۔ ۔ ۔

ایٹل شاید اس رشتے کو روکنے کے لیے اور بھی ہاتھ پاؤں بٹھائے۔ وہ محب کی حرکت کی وجہ سے اپنے ماں باپ کی پریشانی کا احساس نہ کرتی تو۔۔۔ محب نے تو گویا اس گھر کے کینوں پر بم پھوڑ دیا تھا۔ ماما کو تو ایٹل اور محب سے زیادہ مرچ پیاری تھی۔ محب کی خواہش ان کے لیے کسی صدمے سے کم نہ تھی۔ سہما پھوپھو اور مرچ کے لیے تو تکلیف دہ تھا ہی بابا بھی سہما پھوپھو سے

نظریں چرانے لگے اور ایٹل تو یقین ہی نہیں کر پاری تھی۔ کیا مرچ سے اچھی بھی کوئی لڑکی ہو سکتی ہے محب بھائی کے لیے۔ اگر مرچ کی پسند نہ ہوئی تو ایٹل کو اتنا برا ہی نہ ہوتا۔ لیکن مرچ تو محبت کرتی تھی محب سے۔ اس نے مرچ کی محبت کو ہرٹ کیا تھا۔ ایٹل اپنی مینشن بالکل بھول گئی۔ اسے صرف مرچ کی فکر تھی۔ اس کی محبت کا غم تھا۔ مرچ اور سہما پھوپھو نے ابتدائی جھڑپ کے بعد خود کو کسی حد تک کمزور کر لیا تھا لیکن ایٹل اپنی پسند تا پسند سب بھول کر اپنے ماں باپ کے دکھی دلوں کی خاطر مٹکائی کی انگوٹھی پہنے جھٹھی تھی۔

”دونوں کے بعد وہ کالج گئی تو اس کے جانے سے پہلے ہی اس کی مٹکائی کی خبر پہنچ چکی تھی۔

”بھئی نمینسی مٹکائی کروالی۔ ہمیں بتایا بھی نہیں۔“ حیانے اسے دھپ رسید کرتے ہوئے گلہ کیا۔

”تمہیں کس نے بتایا۔“ وہ حیران تھی کیونکہ اس نے کسی کو بھی نہ بتائے کا فیصلہ کر رکھا تھا۔

”مرچ آئی نے ڈی پی لگائی ہے۔ یہ دیکھو، تھیں کس نو مرچ آئی۔ ورنہ تم تو خود سے نہ بتاتیں۔“ اس کا دل چاہا انیس توپوں کا سٹ مرچ کی طرف کر کے اس کو ساری دے۔ اب سب حیا کا موبائل چھٹ رہی تھیں۔

”دیکھاؤ۔ دیکھاؤ مجھے بھی دکھاؤ۔“  
 ”واؤ کتنا اینڈر سم مٹکائی ہے تمہارا۔ کہاں چھپا کے رکھا تھا اتنا چارنگ کزن۔“ سب اسے چھیڑ رہی تھیں۔

”وہیے اس نے ماں کیسے کر دی تمہارے لیے۔“  
 صدف کے جھیرے سے تو بچنے اسے سوئی سی چھٹی۔  
 صدف ان لڑکیوں میں سے تھی جو خود کو بڑی چیز سمجھتی ہیں۔ جل بھی گئی تھی شاید۔

”ہاں کیا مطلب۔ انہی کی ضد نہ تو ہوا ہے یہ رشتہ۔۔۔ ورنہ میں تو ماں ہی نہیں رہی تھی۔“ جیہن کے احساس کو کم کرنے کے لیے ایٹل نے بنا سوچے سمجھے جھوٹ بولا۔ اور جلتے والے مزید جلتے لگے۔

چار ہتے مسکراتے چمکتے چہرے۔ ان میں سے کوئی چہرہ بھی مدح کا نہ تھا۔ یہ یقیناً "ایشل" کی سہیلیاں تھیں۔ اخلاقاً "کڑے" ہو کر ان کا استقبال کیا۔ وہ ابھی تک ان کی آمد کی وجہ نہیں سمجھ پا رہا تھا۔ بار بار ایشل کے پھولے ہوئے منہ کو دیکھ رہا تھا لیکن وہ تو جیسے حمران کے علاوہ کمرے کی ہر چیز کو دیکھنے لگی ہو۔

"مستثنیٰ کی بہت مبارک ہو حمران بھائی۔" انہوں نے بیٹھے ہی خود ہی اپنا اپنا تعارف کروایا اور مبارکباد دینے لگیں۔

"بہت شکریہ۔ کیا لیں گے آپ لوگ۔ ٹھنڈا گرم؟" بہت آکورد چوہن کے باوجود وہ اخلاقاً بھاری تھا۔

"جوس پلیز۔" حیانے بنا تردد کہہ دیا۔

"بہت تھک گئے آج تو۔" حیانے آج صبح سے اپنے پروجیکٹ کے پیچھے مقبوضہ جمانگیر گئے ہوئے تھے واپسی پر میل سے گزر رہے تھے تو آپ کا آفس نظر آ گیا۔ سوچا آپ سے مل لیں۔" یہ گوہر تھی۔

"زبردستی۔ یہ بھی بتاؤ نا۔" صدف نے ایشل کو دیکھتے ہوئے لقمہ دیا۔ وہ تو حمران کو بھی نظر آ رہا تھا اور پلیز کے ادمورے مسیح کا مطلب بھی سمجھ رہا تھا۔

"حمران بھائی۔ آپ تو ریل میں زیادہ ہینڈ سم ہیں۔" اب ایشل تھوڑا جڑ بڑھ گئی۔

"چلو چلتے ہیں۔" ایشل نے ساتھ بیٹھی گوہر کو چٹکی کالی۔

"ارے ایسے کیسے۔ ابھی تو جوس بھی نہیں آیا۔" یہ خضریٰ تھی وہ پھر علامتی سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

"ارے نہیں نہیں، آرام سے بیٹھیں میں فری ہوں۔" حمران کا مود بھی آن اچھا تھا شاید اتنی لڑکیوں کو کچھ کراچھا ہو گیا تھا۔ ایشل نے کسی سوچا۔

"یہ ہوئی ثابت۔ حمران بھائی آپ کا انداز نہیں فکس بھی کسی ٹائل کے بیرو جیسا ہے۔"

"ہاں اور نہیں تو کیا۔ کون آن کلی ایسا کرتا ہے امیزنگ۔" وہ کیا بات کر رہی تھیں۔ وہ خاک۔ سمجھ پایا۔ ایشل کو دیکھا جس کی بے چینی حد سے سوا

"اور ہو۔" سب کورس میں اسے چھیڑنے لگیں اور وہ اب اس جھوٹ کو چھپانے کے لیے کئی سو جھوٹ اور بولنے والی تھیں۔ سب اس کے گرد جھگڑا لگائے بیٹھی تھیں۔ کوئی رشک بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی اور کوئی حسد بھری نظروں سے۔ اور وہ قلوبہ بنی حمران کی اس محبت کے قصے سنائے لگی جس کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔

\*\*\*

گھر کی فضا میں ایک عجیب سی خاموشی اور اداسی سراپت کر چکی تھی اور ہر فرد اس کے زیر اثر تھا۔ ایشل بھی مدح سے چھٹی بھر رہی تھی۔ اور مدح شاید سب سے۔ محب چاہتا تھا کہ حرم کے گھر رشتہ لے کر جائیں۔ لیکن کوئی اس کی بات سننے کو تیار نہ تھا۔ بلکہ کوئی اس سے بات بھی کرنے کو تیار نہ تھا۔ سوائے سیمپو پھو کے۔ وہی اسے کھانا دیتیں، چائے پوچھتیں اور دوسرے چھوٹے موٹے کام۔ بنا کچھ بنائے بالکل پہلے کی طرح۔

\*\*\*

حمران کرسی کی پشت سے سر نکالے خود کو ریلیکس کر رہا تھا۔ تقریباً "ایک گھنٹہ بعد میننگ رکھی گئی تھی۔ سو تب تک اسے ذہنی طور پر پرسکون ہونا تھا۔ موبائل کی میسج ہپ نے اسے متوجہ کیا۔

"پلیز۔" ایشل کا میسج تھا۔ صرف "پلیز" وہ تذبذب میں پڑ گیا اس سے پہلے کہ اسے فون یا میسج کرنے کا سوچنا انٹر کام کی کھٹی نے متوجہ کیا۔

"سرا! سرا! ایشل آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔" آپریٹر کی آواز آئی۔

"بیج دیں۔" وہ حیران ہوا۔

"سرورہ اکیلی نہیں ہیں۔" آپریٹر ابھن میں تھی۔

"ان کے ساتھ جو بھی ہے تم نہیں بھیج دیں۔"

مدح ہو گئی اس نے سوچا اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

چند ثانیوں کے بعد مکی سی، تنک کے ساتھ پہلے ایشل کا پڑ مرودہ چہرہ نمودار ہوا اور پھر ایک کے بعد ایک

تھی۔ ہمارے ہمارے آپ کی صلح بھی ہو جائے گی۔“ حیانے شروع لہجے میں کہتے ہوئے ایشل کو کبھی ماری۔

”جی جی ضرور۔ چلیں بھر ٹیٹ دیتے ہیں ہم آپ کو۔“ حمدان گھڑی دیکھتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ اور ایشل تو جیسے کانٹو بدن میں لو نہیں کی تصویر بنی بیٹھی تھی۔ پارکنگ ایریا میں آئے تو لاکھ اس کے منع کرنے پہ حیانے اسے حمدان کی گاڑی میں بٹھادیا۔ باقی سب حضری کی گاڑی میں ان کو فالو کرنے لگیں۔

”مس ایشل! کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ یہ سب کیا ہے؟“ گاڑی سڑک پر لاتے ہی وہ غصے ہوئے سخت لہجے میں گویا ہوا۔

”وہ۔۔۔ یہ اصل میں۔۔۔“ وہ منمنائی۔ جواب بن نہیں پا رہا تھا۔

”کیا وہ یہ۔۔۔؟“ مزید سخت لہجہ۔ اب وہ بھی ایشل تھی ہوئی شروع۔

”میں کیا کرتی۔ کس نے آپ کو فیس بک پہ اپنے آفس کا نام اور ایڈریس ڈالنے کا کہا تھا اور جب میرے منع کرنے کے باوجود زبردستی وہ آج بھی گئی تھیں تو کیا ضرورت تھی اتنا فری ہو کر بات کرنے کی۔ اور میں نے کتنا ٹالا بچ کی بات کو۔ لیکن نہیں سب آپ کی وجہ سے ہوا ہے۔“

النا چور کو تو ال کو ڈانٹے۔ اور کو تو ال صاحب تو حیران پریشان۔

”ایکسکوز می۔ میں اٹھارہ بجے اور اظہار محبت کی بات کر رہا تھا۔“ علیجہیلے کی بہت ذرا نرم تھا۔

”یہ سب میں نے مجبوری میں کہا تھا۔“ ڈھیٹ بچے کی حد۔

”یعنی جھوٹ بولا۔“ احتیاط سے موڑ کاٹتے اسے احساس دلانا چاہا۔

”آپ نے بھی تو ابھی جھوٹ بولا۔ ہماری ناراضی کا۔“ حاضر دماغ تو بلا کی تھی۔

”تو تمہارے جھوٹ کو سپورٹ کرنے کے لیے بولا ناں۔“ زیر لب مسکراتے ہوئے بولا۔

”میں نے بھی کسی بات کو سپورٹ کرنے کے لیے

”کیا مطلب۔؟“

”ارے یہ ان گلاب کے اٹھارہ گلدستوں کا ذکر رہی ہے جو آپ نے ایشل کی اٹھارہویں برتھ ڈے پر بھیجے تھے۔“ صدف نے اس کی مشکل آسان کی۔

”جی۔؟“ اٹھارہ بجے وہ تو حیرت کے سمندر میں غوطے کھانے لگا۔

”اچھا بس کرو۔۔۔ جس ختم کرو اور چلو۔“ ایشل میں اب مزید سننے کی تاب نہ تھی۔ جس آدھکا تھا۔

”اس میں تو پہلے ہی بہت اکڑ تھی۔ لیکن جب سے آپ نے محبت کا اظہار کیا ہے یہ تو اور مغبور ہوئی ہے۔“ صدف نے ناک سیکڑ کر کہا۔

”محبت کا اظہار؟“ اب تو سمندر میں غوطے کھاتے ہوئے آئینہ بھی ختم ہونے والی تھی۔ اس نے پیسنہ خشک کرتی ایشل کو دیکھا۔

”میں نے کہا تھا نا۔ یہ بڑی ہیں اٹھو چلو۔“ اب تو ایشل گھبراہٹ کے مارے کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

حمدان کی نظروں کی تاب لانے کی سکت نہ تھی۔

”اور آپ کو پتا ہے حمدان بھائی! یہ کس قدر عجیب ہے اتنے دن ہو گئے آپ کی منگنی کو“ اس نے ابھی تک ہمیں ٹیٹ نہیں دی۔ آج تو آپ سے ٹیٹ لے کر ہی جائیں گے۔“ ایشل کی بات نظر انداز کرتی گوہر کی اس بات کی باقی تینوں بھی ہمنوا ہو گئیں۔

حمدان کچھ کچھ جوشن سمجھ چکا تھا سو ہینڈل کرنے کی ٹھان لی۔

”جی جی۔ تو کیا کھائیں گے آپ لوگ۔“ ایشل کو گھور کر حمدان ان سے مخاطب ہوا۔

”نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں جلدی ہے۔“ ایشل منمنائی۔

”کوئی جلدی نہیں ہمیں لہجہ کریں گے ہم۔“ چاروں شیرنیوں نے اسے گھر کا۔

”بس بھی کرو ایشل۔ ختم کرو ناراضی۔“ حمدان بھی شرارتی ہوا۔

”اچھا تو آپ لوگوں کی ناراضی چل رہی ہے چلو



بولا تھا یہ سب۔ ”دویدو بولی۔ وہ اپنی مسکراہٹ چھپانے کی دانتہ کو شش کرنے لگا۔

”دیے بھی اس سے آپ کا کوئی نقصان تو نہیں ہوا۔“ وندا سکرین پر نظریں جمائے دھیرے سے بولی۔  
”ہوا نقصان۔ میرا بیچ خراب ہوا۔“ ایک چائینیز رستوران کی پارکنگ میں گاڑی کھڑی کرتے بولا۔

”جیسے ہمارا رشتہ عارضی ہے۔ یہ ایفکٹ بھی عارضی ہو گا۔ ڈنٹ وری۔“ تاسف سے کتنی وہ گاڑی سے باہر نکل گئی۔

نیل کے کروبیٹھے چمکتے چمکتے چروں میں ایٹل کا بیزار سا چہرہ سب سے نمایاں تھا۔ حمد ان اس کی سیلیوں کو پورا پورا نوکول دے رہا تھا۔

”چمچھورا“ ایٹل نے زیر لب اسے نیا خطاب دیا۔  
اسے غصہ ان سب کے ساتھ فرنی ہونے کا تھا یا خود کو آگنور کیے جانے کا، وہ کنفیوڈ تھی۔ دھیر کو بلا کر آرڈر دیا گیا جو بمشکل فاسٹ ہوا۔

”ایکچولی میں آپ لوگوں کو جوائن نہیں کر پاؤں گا۔ مجھے ایک ضروری میٹنگ میں پہنچنا ہے۔“ وہ گھڑی دیکھتا کھڑا ہو گیا اور قدرے معذرتی انداز سے جانے کی وضاحت کی۔

”انجوائے پور سلپ۔“ یہ کتاوہ نکل کھڑا ہوا۔  
سب ہکا بکا ایٹل کی شکل دیکھنے لگیں۔

”بھئی اپنے اپنے والٹ چیک کرو۔ سبوسوں کی ٹریٹ کے بدلے ہوٹل کے برتن نہ دھوئے پڑ جائیں۔“ حیانے مصنوعی انداز میں ڈرتے ہوئے سب کو خبردار کیا۔ ایٹل کی تو خود صورت حال سمجھ میں نہیں پاری تھی کہ مسیج کی ٹون بجی۔

”پے منٹ میں نے کر دی ہے۔“ حمد ان کا مسیج تھا۔

تکھ کا سانس لیتے سب کو اطلاع دی۔ اب سب پھر سے حمد ان کی تعریف میں شروع ہو گئی تھیں۔ اب کہ واقعی تعریف۔ حمد ان کا یہ روپ دیکھ کر ایٹل تھوڑی مغرور سی ہو گئی۔ کب سے انکی سانس بھی بحال ہو چکی تھی۔

\*\*\*

اپنے پریش بید پر چت لینا چمت کی ڈیکور میں لگے جا بجا ٹیشوں میں وہ اپنا عکس دیکھ رہا تھا اپنے لپوں پر بکھری مسکراہٹ کو محسوس کر کے کھسیانا سا ہو گیا۔ آج دھیر سے وہ کئی بار خود کو مسکراتا پکڑ چکا تھا۔ آج دوسری بار وہ ایٹل کی ہیلوری کا قائل ہوا۔

”ایسے مختلف مزاج لوگوں کا زندگی میں ہونا ضروری ہے۔ خاص کر میرے جیسے بندے کی، جس کے پاس مسکرا نے کی وجہ ڈھونڈنے کا بھی وقت نہ ہو۔“ وہ ایٹل کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

”لیکن صرف دوست کی حد تک۔“ لائف پارٹنر کی حیثیت سے ایسا انہی مذاق انورڈ نہیں کر سکتا میں۔ مد ہے بچنے کی۔“ خود کو کھر کا کہہ کر اس نے موقف سے پیچھے نہ ہٹ جائے۔ اس کی جذباتیت ختم ہوتے ہی اس قصے کو ختم کرنے کی ٹھان چکا تھا۔ اپنے کیے گئے فیصلے پر تجدید کی مہر لگا کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اسے یاد آیا کہ کل ہی اذان بتا رہا تھا کہ فونو گراف نے سافٹ کالی میج دی ہے۔ سوا ب وہ لپ ٹاپ کھولے تصویریں دیکھ رہا تھا۔

”میک اپ بھی مکمل کی چیز ہے۔ چھوٹی عمر کی لڑکیوں کو عورت بنا دیتا ہے اور اوجیز عمر عورتوں کو لڑکیاں۔“ اس نے ساتھ بیٹھی ایٹل (جو اس کی ہم عمری لگ رہی تھی) کی تصویر غور سے دیکھنے کے بعد خود کو اس کی خوب صورتی کا معترف ہونے سے روکنے کے لیے اچھا جواز دیا۔ اب وہ ساری تصویریں پھر سے دیکھ رہا تھا۔

”دیکھنے میں تو سب اچھا لگ رہا ہے۔ لیکن شلوی بالکل بھی نہیں۔“ اپنے ہنستے خیالوں کو روکنے کے لیے اس نے پھر سے اپنے آپ کو یاد دہانی کروائی۔

\*\*\*

”مجھے اپنے بیٹے کے رشتے کے سلسلے میں جانا ہے۔ کیا آپ میں سے کوئی میرے ساتھ چلے گا۔“ اسنے دنوں سے جاری کشش کو پھوپھو سیماک کے تھکمانہ انداز

نے ختم کیا۔ جلیوید صاحب اور تابندہ جواب نے تیس سیماء اور مدح سے چھپتے پھر رہے تھے۔ سیماء کے اس انداز پر دھم سے گئے۔ تابندہ اپنی کرسی سے اٹھیں اور اپنی بات کے جواب کے انتظار میں کڑی سیماء کے گلے لگ گئیں اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں۔

”بس بس۔ بیٹے کی خوشی پہ جانا ہے۔ آنسو صاف کرو۔ خدا میری مدح کے تعجب اچھے کرے۔“ سیماء کا دل ہمیشہ سے بڑا تھا۔ صبر و حوصلہ زندگی نے یہی سبق تو پڑھائے تھے اسے۔ جلیوید صاحب نے غم آنکھوں سے سیماء کے سر پر ہاتھ رکھا۔

”ہمیں معاف کرو سیماء۔“

”بھائی پلیز۔ اگر مدح، محب کی بجائے کسی اور کا نام لیتی کیا پھر بھی آپ ایسا کرتے۔ ہمارے بچوں کی مرضی زیادہ ضروری ہے۔ زندگی تو انہوں نے گزارنی ہے۔ بس اب بہت ہو گیا یہ سوگ۔ محب سے بھی ناراضی ختم کریں۔“ اپنی مدح کے آنسو اپنے دل میں چھپا کے سیماء محب کی خوشیوں منانے چلی تھیں۔ اور مدح جو اپنی ایک طرفہ محبت کے گلے سنبھالتے سنبھالتے خود بکھر گئی تھی۔ آج تو اس سے اپنا آپ سنبھالا نہیں جا رہا تھا۔ یہ تو مکمل چکا تھا کہ محب بھی بھی اس کا نہیں تھا اور نہ ہو سکتا تھا۔ پھر بھی وہ وہم سے امید تھی کہ جیسے ہی یہ سیاہ رات گزر جائے گی تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ پھر سے پہلے جیسا محب کے خواب، محب کے نام کے لفظ اس کے دل سے ہوتے انگلیوں کی پوروں کو چھوتے ہوئے صفحہ قرطاس پر بکھر بکھر جائیں گے۔ لیکن ایسا کچھ نہ ہوا۔ امید کا دیا بجھنے لگا تھا۔ آج سب اس کے محب کو کسی اور کے نام کرنے گئے تھے۔ سوائے ایشل کے۔ ایشل کو نہیں جانا تھا وہ اپنی مدح کی محبت کو مرنا کیسے دیکھ سکتی تھی۔ اس کا دل بانی سب جتنا بڑا نہیں تھا۔ اس کی مدح دھمی تھی تو وہ اپنے بھائی کی خوشیوں کیسے مناسکتی تھی۔ مدح کب سے دروازہ بند کیے بیٹھی تھی۔

”مدح۔ دروازہ کھولو مدح۔“ بلا آخر ہمت کر کے ایشل نے دروازہ بجایا۔

”مدح پلیز۔“ روتے ہوئے لہجے میں فحشی ہوئی۔ ”مجھے تھوڑی دیر کے لیے اکیلا چھوڑ دو ایشا۔“ مدح کی بھیگی ہوئی تواز آئی۔ سیاہ رات کا اندھیرا اس کی محبت کی مشق کو نکلنے کو تھا۔ تب تک کی مصلحت جانی تھی اس نے ایشل کو بھی دل کے ساتھ لے لے لاؤنچ میں آئی۔ تھوڑی دیر کیٹ ہاؤس کو دیکھنے چلی گئی۔ آج تو چیکو کا چار کرنے کا انداز بھی دل کو ہکا میں رہا تھا۔ وہ پھر لاؤنچ میں آکر اپنے موبائل میں الجھ گئی۔ وال پیپر پر دلہن بنی ایشل مسکرا رہی تھی۔

”تمہارا کزن کتنا ہنڈم ہے ایشل۔ کیا اس کا چھوٹا بھائی بھی ایسا ہی دکھتا ہے۔“ فحش کی بات یاد کر کے اسے حیران یاد آگیا۔ کلنڈر کشس میں جا کر حیران بھائی پہ کلک کیا۔ اس کی تصویر کھل گئی۔ سفید فی شرٹ میں کھڑے ہالوں کے ساتھ کتنا کوئی لگ رہا تھا۔

”اگر تمہارا امون نہ ہو شادی کا۔ تو مجھے ضرور قیامت میں ضرور ابرہہ کیوں کی اس بندے کو۔“

صدف کی تواز جیسے کلن کے پاس سے آئی۔ یکدم ہاتھوں میں ہلکا سا ارتعاش محسوس ہوا۔ اس سے پہلے کہ کچھ سمجھ پاتی ”ہیلو“ کی تواز سے چوہ طبق روشن ہو گئے۔ پتا نہیں کب انگلی لہج ہوئی اور کل مل گئی۔ اب حیران ہیلو ہیلو کا رہا تھا۔ اس نے گھبراہٹ پہ قابو پاتے فون کلن سے لگا لیا۔

”السلام علیکم حیران بھائی۔“ تھوک لگلا۔

”جی و علیکم السلام۔ خیریت؟“ وہ شاید جلدی میں تھا۔

”وہ اہکچولی اس دن کے لیے سوری۔“ اور کچھ نہ بن بڑا تو یہی بول دیا۔ حالانکہ سوری کہنے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔

”اہکسکو زنی۔ آپ نے سوری کہا یا مجھے سننے میں غلطی ہوئی ہے۔“ وہ شرارت سے بولا۔

”جی آپ کو سننے میں ہی غلطی ہوئی ہے۔ سوری اور میں۔ کبھی نہیں۔“ اس کی شرارت کو بھاتپ کر وہ بھی ریلیکس ہوئی۔

”آپ بڑی تو نہیں۔“ اسے بات کرنا اچھا لگ رہا

ایٹل کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھی۔ درحقیقت وہ یہاں سے بھاگ کر جا رہی تھی۔ شاید خود کو سنبھالنے سنبھالتے ٹھک چکی تھی۔ جلدیہ صاحب اس کو اکیلے جانے کی اجازت نہیں دے رہے تھے۔ لہذا طے ہوا کہ سیماسی ساتھ جائیں گی۔ ان کے دوست پرستھم میں رہتے تھے سوان کے توسط سے یونیورسٹی کے قریب ہی لارمنٹ اریج کر دیا گیا۔ ایٹل کو آٹے والے دو سال دو صدیوں کے برابر لگ رہے تھے۔ ایئرپورٹ پر الوداعی ملاقات میں وہ کتنی ہی دیر مدح سے لپٹی رہی۔ دونوں کے پاس رونے کی بہت ساری وجوہات تھیں۔

\*\*\*

آج وہ آفس سے جلدی آگیا تھا۔ گھر میں آتے ہی کسی کو نہ پا کر بچن میں گیا وہاں زرنہ کھٹو چڑ کر رہی تھی۔

”ایک کپ چائے میرے کمرے میں بھجوا دیجیے پلیز۔“ سلام کا جواب دے کر وہ تھکے تھکے انداز میں مڑ گیا۔ یہ دیکھتے بغیر کے زرنہ نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا تھا جو اس کی توجہ نہ پا کر بند ہو گیا تھا۔ اہل سوری تھیں۔ ٹھنڈے پانی سے شاور لینے کے بعد حواس کچھ بحال ہوئے۔ چائے کا کپ سائیڈ ٹیبل پر پڑا دیکھ کر وہ زرنہ کا مشکور سا ہوتا ہیڈ پر پہنوا رہا ہوا۔

”ٹھک، ٹھک۔“ اتنی تیز آواز۔ جیسے کوئی کیل دیوار میں نہیں اس کے دماغ میں ٹھونک رہا ہو۔ ”اڑان کیا کر رہا ہے اس وقت“ خود ہی سوچ کر پھر آنکھیں بند کر لیں لیکن ٹھک ٹھک رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ وہ فوراً اٹھا۔ اس کے اور اڑان کے کمرے کے درمیان میں ایک خلی کمرہ تھا۔ جس کو ابھی سیٹ نہیں کیا گیا تھا۔ بنا کے بھی سب جانتے تھے کہ یہ حسان کا کمرہ ہے۔ آوازیں وہیں سے آ رہی تھیں۔

”یہ کیا ہو رہا ہے۔“ دھاڑے دروازہ کھولتے ساتھ ہی وہ تیز آواز میں بولا پھر ٹھک کر رک گیا۔ وہ ایٹل

تھا۔ ”ایکچو“ کی رسم شروع ہونے والی ہے۔ سوبلا رہے ہیں مجھے سب۔ ”رسم مطلب؟“ آپ بھی ملا لوگوں کے ساتھ گئے ہیں؟“ ذرا تیز لہجے میں پوچھا۔ ”ہاں۔ کیا نہیں آنا چاہیے تھا؟“ ”بالکل بھی نہیں۔ جب میں نہیں گئی تو آپ کو بھی نہیں جانا چاہیے تھا۔“ جوش جذبات میں نہیں جانا کہ کیا بول گئی۔ ”آپ نہیں آئیں تو میں کیوں نہ آتا۔ ویسے آپ کو بھی آنا چاہیے تھا۔ غلطی کی آپ نے نہ آکر۔“ سرزنش کرتے ہوئے بولا۔

”آپ ان کی سائیڈ نہیں لیں گے تو اور کون لے گا۔“ نروٹھے پن سے بولی۔ ”اچھا اس ٹاپک پہ پھر کبھی بات ہوگی۔ مجھے بلا رہے ہیں سب۔ اللہ حافظ۔“ فون بند ہو گیا تھا۔

\*\*\*

نظا ہر سب ٹھیک ہو چکا تھا۔ سب نے سب کچھ قبول کر لیا تھا لیکن پھر بھی ایک پراسرار خاموشی تھی جو سب کو اپنے حصار میں لیے ہوئے تھی ہاں البتہ محب بے حد خوش تھا۔ گھر میں تو وہ پہلے بھی کم ہی دکھتا تھا اب تو اور بھی مصروف ہو گیا تھا۔ اڑان تو ہر دوسرے دن حاضری دیتا تھا۔ حالہ بھی آتی جاتی رہتیں ہاں البتہ حمدان نہیں آتا تھا۔ اس دو مہی پیمکی زندگی کو ایک اور جہنم کا لگا۔ جب مدح کو اعلا تعلیم کے لیے اسکالرشپ آفر ہوئی اور اس نے بلا جوں چرا قبول کر لی۔ حالانکہ نارمل حالات میں ایسا ناممکن تھا۔ مدح دو سال پہلے ایک ایسی ہی آفر ٹھکرا چکی تھی۔

”نہ جاؤ مدح پلیز۔ میں کیسے رہوں گی تمہارے بغیر۔“ ایٹل متیں کر کر کے ہارنے لگی تھی۔

”مجھے جانا ہے ایٹل۔ اچھا موقع ضائع نہیں کرنا چاہیے اور ویسے بھی میرے بغیر رہنے کی تمہیں پریکٹس بھی تو کرنی ہے۔“ ہلکے ہلکے انداز سے کتنی وہ

ہی اللہ ملی تھیں۔ ”اپنے کمرے سے چائے کا کپ  
اودھری لے آیا تھا۔ آج اللہ کا برتھ ڈے تھا۔ جو وہ  
بالکل بھول چکا تھا۔ اب ایٹل کی مشقت دیکھ کر اسے  
بہت اچھا لگ رہا تھا۔

”سیدھی ہے؟“

”تھوڑا رائٹ کرو۔ زیادہ کر دیا۔ ہاں اب ٹھیک  
ہے۔“

”وہ نیٹ پکڑائیں۔“ وہ اس کی مدد کر رہا تھا۔ اذان  
ایک لے کر آیا تو ان دونوں کو ساتھ دیکھ کر ”لو ہو۔  
واہی واہ۔“ کہتا ان کو چھیڑنے لگا۔ دونوں ہی اس کو  
ڈانٹنے لگے یہ اور بات کہ دونوں کو ہی اچھا بھی لگ رہا  
تھا۔

ایک ہفتہ پہلے یونمی اذان نے خالہ کی سالگرہ کا ذکر  
کیا تو ایٹل جو بورت سے تھک چکی تھی فوراً  
سربراہن پارٹی پلان کر لی۔ خالہ کو خوش کرنے کے لیے  
اسکے بھی بنایا ان کی تصویر کو بڈل بنا کر۔ اور یہ سب  
دیکھ کر خالہ کی تو خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ خالو بھی بہت  
خوش تھے۔ خالہ بار بار ایٹل کا ہاتھ چومتیں۔

”ایسی خوشی تو بچی کے ہی دم سے ہے۔ ورنہ ان  
لوگوں نے تو آج تک مجھے ایسا سربراہن نہ دیا۔“

”اللہ آپ زیادتی کر رہی ہیں۔ اس پلان میں  
میں بھی برابر کا شریک ہوں۔“ اذان نے دہائی دی۔

پارٹی سے فارغ ہو کر وہ لوگ لاؤنج میں آ گئے۔  
حمدان تو بزنس میڈیو لگا کر بیٹھ گیا۔ البتہ ایٹل اور اذان  
کا ریٹ پائلیں پسار کر دوسرے صوفے سے ٹیک لگا  
کر بیٹھے تھے۔ اذان، حمدان کا پاپ ٹاپ لے آیا تھا۔  
اب وہ دونوں تصویریں بھی دیکھ رہے تھے اور ساتھ  
ساتھ کنشس بھی پاس کر رہے تھے۔ اسی اثناء میں بی  
وی میں کم حمدان کا موبائل بجایا، وہ دونوں بھی اس کی  
طرف متوجہ ہوئے مگر ایٹل کی حیرت کی انتہا نہ رہی  
جب محترم نے بنا دیکھے کل ڈس کنیکٹ کر دی۔  
ایٹل نے فوراً اذان کو دیکھا، جس نے کندھے اچکا  
لیے۔

”اس حرکت سے یاد آیا پاری بس۔ ایک بہت

تھی۔“ ”اف۔ کتنی مشکل سے میرا ہاتھ بچا ہے۔ دستک  
نہیں دے سکتے تھے۔“ حسب عادت وہ ناراض ہوئی  
تھی۔

”تم یہاں کیا کر رہی ہو؟“ چار ٹانگوں والی میڈم جو  
مزدور چیٹ کرنے کے بعد یہیں چھوڑ گئے تھے۔ اس  
کے اوپر چہرے وہ کیل ٹھونکنے کی کوشش کر رہی تھی۔  
”دیکھ نہیں رہے۔ کیل ٹھونک رہی ہوں۔“ وہ پھر  
ٹھک ٹھک میں مصروف ہو چکی تھی۔ حمدان نے دیکھا  
کمرے کی دیواروں پر جا بجا پنک اور سلور نیٹ کے  
”بچے اور گلاب کے لیے ایک خوب صورت ترتیب  
کے ساتھ لگائے گئے تھے۔ کوئی انونٹ مینج کیا جا رہا  
تھا شاید۔ اب وہ دلچسپی سے کیل ٹھونکتی ایٹل کو دیکھ  
رہا تھا۔ بلو جینز کے اوپر وائٹ ٹاپ میں جوڑے میں  
سے نکلتی لٹوں کے ساتھ وہ بہت مہملی مہملی لگ رہی  
تھی۔ اور پہلے سے اسارت بھی۔

”وہ تصویر پکڑائیں حمدان بھائی۔“ ایک طرف  
بڑے چوکور فریم کی طرف اس نے اشارہ کیا جو الٹا پڑا  
تھا۔ وہ جو تھکا ہوا تھا اور آرام کے موڈ میں تھا۔ سب  
بھول کر اس نئی چویشن کو انجوائے کرنے چلا تھا۔ اس  
نے فریم اٹھا کر دیکھا تو حیران رہ گیا اللہ کا اسکیج تھا۔  
”اللہ کا اسکیج۔ تم نے بنوایا۔“ وہ حیران ہوا اور  
خوش بھی۔

”بنوایا نہیں خود بنایا۔“ ”تراتے ہوئے بولی۔“

”صحیح بتا ہے میں۔ اذان تو اتنی باتیں سن رہا تھا۔“  
اس کو دلچسپی سے تصویر دیکھتے ہوئے چہرہ تھپکی۔

”ہاں بچی یاد آیا۔ فائن آرگس کی اسٹوڈنٹ ہوتی  
ہیں آپ۔ لیکن اذان بھی کچھ غلط نہیں کہہ رہا تھا۔  
میں نے بھی صرف ٹاک کی لوٹک کی وجہ سے پہچانا۔“  
ابجہ شرارت برآمد ہوا۔

”اودھریں مجھے۔ آپ دونوں کیا جانیں آرٹ  
کے بارے میں۔ باتیں سن لو بس۔“ ہاتھ سے  
تقریباً ”چھین کر دھو پواریہ لگانے کی۔“  
”تمہیں بھی اپنا ہاتھ صاف کرنے کے لیے میری



شرارت سے اسے چھیڑا۔ ایٹل نے بھی حسب سابق ایک اور جڑا۔

”ارے بھابھی جی۔“ ایک اور بڑی۔  
”پاری بھابھی۔“ اب کہ ایٹل نے کلن ہی پکڑ لیا اس کا۔ اس کی اپنی کلن کی ٹوئیں گرم ہو رہی تھیں یہ سوچ کر کہ کہیں حمدان نہ سن لے۔  
”بس بھی کرو اب۔“ چھپھورا۔ ”آواز دیا کر اسے ڈانٹا۔

”کتی ظالم ہیں آپ بھابھی۔ میں آپ کو عزت سے نواز رہا ہوں اور آپ مجھے دھمو کوں پہ دھمو کے نواز رہی ہیں۔“ اپنے کلن چھڑاتے ہوئے وہ باتے انداز میں بولا۔

”تم اسی قاتل ہو؟“ اس پر رحم کھا کے کلن چھوڑ دیا۔  
”صد شکر کہ حمدان نے نہیں سنا۔ (اس کے خیال میں)

”یہ دیکھو۔“ اچانک اذان نے اپنا موبائل ایٹل کے سامنے کیا۔

”واؤ۔ کتنا کیوٹ بچہ ہے۔ کس کا ہے۔“ وہ تین ماہ کا بچہ اسکرین پر مسکراہٹ بکھیر رہا تھا۔

”آہستہ بولو۔“ حسان بھائی کا ہے۔“ اذان نے اسے ٹوکا۔ حمدان نے بھی اب کہ اذان کو ملا متی نظروں سے گھورا اور پھر کچن میں دیکھا۔۔۔ جہاں اہل ذرینہ کے ساتھ مصروف تھیں۔ نظرس دو بارہائی وی اسکرین پر جم گئیں۔ ایٹل نے ان دونوں کے تاثرات دیکھے اور پھر مڑ کر خالہ کو دیکھا جو کچن میں ذرینہ کے ساتھ باتیں کرتی دکھائی دے رہی تھیں۔

”حسان بھائی کا بیٹا کتنا پیارا ہے نا۔ مجھے بھی یہ بچہ سینڈ کرو۔“ ایٹل نے جان بوجھ کر اونچی آواز میں کہا۔ تاکہ خالہ سن سکیں۔ حمدان نے ٹی وی چھوڑ کر اسے دوبارہ گھورا اور اذان نے تو اس کے ہاتھ سے موبائل ہی چھین لیا۔

”سائیکو۔ کہہ رہا ہوں آہستہ بولو۔“  
”اچھا سوری۔ سوری۔“ والٹس ایپ کر دیا۔  
”مسکراہٹ دباتے اس کی منت کرنے لگی۔ اور قصور

پلو سے باندھ لو۔ کام آئے گی۔“ اذان بھونڈے انداز میں شروع ہو گیا۔

”اگر یہ حضرت فی وی بہ برنس اپ ڈیٹ دیکھ رہے ہوں یا کوئی فٹ بیل بیچ دیکھ رہے ہو چاہے ریجسٹر میں ہی ہو۔ ان سے بات کرنے کی غلطی مت کرنا۔ اور اگر بات زندگی اور موت کے مسئلے جتنی ضروری ہو تو احتیاطاً بات کرنے سے پہلے ارد گرد بڑی بھاری چیزیں اٹھا لیتا، جیسے وہ پیپر وٹ۔ یا جیسے کہ یہ شو پیس۔“  
پھر روانہ انداز میں وہ سمجھا رہا تھا۔ اور ایٹل کو ایک بار تجربہ ہو بھی چکا تھا۔ لیکن اذان کے مزاحیہ انداز پر مسکراتے ہوئے اس کے بازو پہ ایک دھبہ رسیدی۔  
”بچے کی بات بتانی ہے تمہیں۔ اور تم مجھے ہی مار رہی ہو۔“ بازو سہلانا اسے کوس رہا تھا جو دوبارہ لپٹ

ٹاپ میں تصویریں دیکھنے میں مصروف ہو چکی تھی۔

”چھوڑو اب یہ تم تو تراخ سے بات کرنا۔ بھابھی کہا کرو۔“ خالہ نماز پڑھ کر کمرے سے نکلیں اور اذان کا آخری جملہ سننے ہی اسے ڈانٹنے لگیں۔ ایٹل جزیز ہوئی۔

”بھابھی کون اسے؟ اور جس کی نسبت سے میں نے اس کو بھابھی کہنا ہے؟ اسے تو خود یہ بھائی کہتی ہے ابھی۔“ اذان نے اس کے ابھی تک ”حمدان بھائی“ کہنے پر چوٹ کی تھی۔

”کوئی نہیں خالہ۔ ایٹل ہی صحیح ہے۔“ وہ منمنائی اور کن اکھیں سے حمدان کو دیکھا۔ جواب اشتیارات بھی بے حد توجہ سے دیکھ رہا تھا۔ یہ اور بات کہ آنکھیں اوھر تھیں۔ دھیان سارا ان کی طرف۔

”کیوں نام لے تمہارا؟ ہر رشتے کو اس کے نام سے بلانے سے اس کا تقدس بھل رہتا ہے۔ اور اب تم بھی بھائی کہنا چھوڑ دو۔“ پیار بھری ڈانٹ اسے بھی پلا دی۔

”ذرینہ بچوں کے لیے چائے تو بنا دو۔ کیا کر رہی ہو کب سے کچن میں؟“ ذرینہ کو پکارتی وہ کچن میں چلی گئیں۔

”اچھا تو بھابھی صاحبہ۔ کہیں تھے ہم؟“ اذان نے

”ابھی آنے سے پہلے خالہ نے جو مجھے اپنے کمرے میں بلوایا تھا۔ مجھ سے حسان بھائی کے بیٹے کی تصویر لی تھی۔“ نوز بڑک کر نے کے سے انداز میں بولی۔  
”سُئی۔؟“ حسان کو حیرت کا جھٹکا لگا۔

”جی۔ نہ صرف تصویر لی بلکہ اسے پیار بھی کیا۔“ اس نے نوز محل کی۔

”واہ۔ ایٹل بی بی آپ نے تو کمال کر دیا۔“ وہ واقعی خوشگوار حیرت میں مبتلا ہوتا ایٹل کی سمجھ داری کا قائل ہو گیا۔

”کوئی نہیں۔ ایسے کمال میں کرتی رہتی ہوں۔“ فرضی کارجمہ اڑا کرتا آتے ہوئے بولی۔

”جی جی۔ آپ کی کمالاتی شخصیت کا اندازہ ہو رہا ہے مجھے۔۔۔ چلو اسی بھی بریکنگ نوز کی خوشی میں آئیں کریم کھانا ہوں تمہیں۔“ سڑک کنارے بنے آئیں کہ پیار لر پر نظر پڑتے ہی مہول ہوا۔

”ارے نہیں حسان بھائی۔۔۔ دیر ہو رہی ہے۔ اس کی ضرورت نہیں۔“ اس نے سہولت سے منع کرنا چاہا۔ لیکن اس نے سڑک کنارے گاڑی روک دی۔

”پارلر میں نہیں جاتے۔ یہیں گاڑی میں لے آتا ہوں۔ کون سا للیو ر؟“ اس کو اپنی آنکھوں میں لیے پوچھ رہا تھا۔

”حسان بھائی۔ ضرورت نہیں ہے پلیز۔“ حسان کے رویے پر حیران ہوتی منع کر رہی تھی۔

”ویسے میں نے سنا تھا۔۔۔ اہی تمہیں کچھ رشتوں کے تقدس اور اہمیت کے بارے میں بتا رہی تھیں شاید۔“ اس کے حسان بھائی کہنے پر اس نے شرارت سے کہا۔

”چاکلٹ ڈنیا۔۔۔“ اس کی بات کو گول کر کے جیسے اس نے گھبراہٹ کے مارے جلدی سے للیو ر بتایا۔  
حسان اپنا تعہد روک نہ پایا۔

”اوکے۔“ مسکراتا ہوا گاڑی سے نکل گیا۔  
”اس کا مطلب ہے انہوں نے نوز کی بھابی بولی بکواس بھی سنی ہوگی۔ اف۔۔۔ اتنی شرمندگی ہو رہی ہے مجھے۔ ویسے کتنا کنٹرول ہے اس بندے کو اپنے

لے کر ہی اس کی جان چھوڑی۔ لیپ ٹاپ پہ تصویریں دیکھ لینے کے بعد فولڈر بند کیا تو وال پیپر پہ ابھرنے والی تصویر نے گویا دل مٹھی میں لے لیا ہو۔ چارپائے لڑکے لڑکیاں کندھوں پہ بیک لٹکائے ہواڑ پر چڑھ رہے تھے۔ تصویر بنوانے کے لیے سب کے چہرے تصویر بنانے والے کی طرف مڑے تھے۔ دیکھی کر دینے والی چیز یہ تھی کہ حسان کے ساتھ جو لڑکی تھی اس کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا۔ ایٹل نے بے دلی سے لیپ ٹاپ بند کر دیا۔ دل بچھ سا گیا۔ بمشکل چائے پی۔  
”اذان مجھے چھوڑ آؤ۔“ صبح سے ایک سرخوشی جو پورے وجود کا احاطہ کیے ہوئے تھی اب مفقود تھی۔

”میں تو کو جنگ جا رہا ہوں۔ بھائی چھوڑ آئے گا۔“ اذان نے توہری جھنڈی دکھا دی۔  
”یقین مانو۔ اچھی گاڑی چلا لیتا ہے میرا بھائی۔“ اس کی بری بری شکلیں بنا دیکھ کر اس نے پھر اسے چھیڑا۔

”ہاں تم جاؤ۔ حسان چھوڑ آئے گا۔“ خالہ نے بھی کہہ دیا۔ ورنہ وہ تو خالو کا انتظار کرنے والی تھی۔

”اچھا تو یہ تھی وہ پچھلی مہلی جس کے لیے انکار کر رہے تھے محترم۔ ٹھیک ہے اچھی تھی، لیکن اتنی بھی حسین نہیں کہ بندہ مل پاپ کے سامنے ہی کھڑا ہو جائے۔ پر دل آئے گدھی پہ تو پری کیا چیز ہے۔ اپنے محب بھائی کو ہی دیکھ لو۔“

”تھینک یو۔“ فرنیٹ پیٹھ پہ بیٹھی خیالوں خیالوں میں نجانے کہاں جا پہنچی تھی کہ حسان کی ممنون سی آواز محل میں کھینچ لائی۔  
”کس بات کے لیے؟“

”آج کے دن کی ہر چیز کے لیے۔ میں نے بہت دنوں کے بعد اہل کو اتنا خوش دیکھا ہے۔“ وہ واقعی مشکور تھا۔

”زیادہ فائل ہونے کی ضرورت نہیں وہ میری بھی کچھ لگتی ہیں۔ اور ہاں آپ کے لیے ایک بریکنگ نوز بھی ہے میرے پاس۔“ اپنا رخ حسان کی طرف پھیر کر بولی۔ اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

نے گھر پہنچے پر ہی اپنا بازو ہٹایا۔ جہاں تھینہ لور اسفر صاحب پریشانی کے عالم میں باہری مل گئے۔

”اس کو اندر لے جائیں اہل۔ ابا آپ گاڑی نکالیں میں گاڑی کے لور پتھل پیسے لے کر آتا ہوں۔“  
تھانے چلتا ہے۔ ”پھر فون پر کوئی بمبواکل کرنا لاؤںج میں چلا گیا۔

”بس کرو میری بچی۔ کیوں اتنا دور ہی ہو؟ کیا کوئی بد تمیزی کی ہے انہوں نے۔“ میٹر چیاں اترتے اہل کی توازن کے وہ بے چین ساہواریہ تو اس نے سوچا ہے نہیں تھا۔

”نہیں خالہ۔ وہ میری انگوٹھی بھی لے گئے۔“  
روتے روتے اس نے بتایا تو اتنی شنشن کے ماحول میں بھی حیران کے لبوں پر مسکراہٹ آگئی۔ ”تھابا“ منگنی کی انگوٹھی کے لیے اتنا رویا جا رہا ہے۔

”تو کیا ہوا۔ میرے بچوں کا صدقہ۔ لور بنواؤں گی اپنی بچی کو۔ بس رونا نہیں اب پانی لاؤ ذرے سن۔“  
”ان کے پاس کمن بھی تھی۔“ دروازے سے نکلتے

ایشل کی پھر روٹی ہوئی توازن کی محب اور جلوہ صاحب بھی تابندہ کو ادھر چھوڑ کر تھانے چلے گئے قانونی قضاے پورے کرتے کرتے رات کے دو بج گئے تھے۔ ابھی تو محب کے دوست کے بھائی جو انکسپڑ تھے (کسی لور تھانے میں) انہوں نے بھی کالی ہلپ کی۔ بہر حال رات ڈھلکی بجے گھر پہنچے تو تابندہ اور تھینہ جاگ رہی تھیں۔ ایشل کو مارے خوف کے بخار ہو چکا تھا، لیکن وہ سوری تھی۔ حیران کو دکھ نے گھیر لیا۔

”کیٹ شول سون بملور لڑکی۔“ اہل کے بندہ پہ سوئی ایشل پر ایک نظر ڈال کر وہ متاسف سا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ ایک تھکا دینے والے دن کا تھکا دینے والا انجام ہوا۔



اس نے زندگی میں پہلی بار ڈاکو دیکھے تھے، اصلی کمن دیکھی تھی۔ اس چند سینکڑ کے سین کی اتنی دہشت تھی کہ جب بھی آنکھیں بند کرتی ایک خبیث

ایکسپریشن پہ۔ گھٹا۔ جی بھر کے شرمندہ ہو رہی تھی۔

لور وہ آئس کریم کا آرڈر دے کر گلاس ڈور میں سے ایشل کو دیکھا ہوا اپنے دل کو نئے سرے سے اس رشتے کے بارے میں سوچنے کے لیے تھلا رہا تھا۔ اچانک اس نے دیکھا کہ کوئی شخص دعو پہ جبکا ایشل سے کچھ بات کر رہا تھا، حیران ہوا یہ کون ہو سکتا ہے بھلا۔ پھر ڈرائیونگ سیٹ پر نظر گئی تو وہاں ایک دوسرا شخص بیٹھ چکا تھا۔ سینکڑ کے ہزاروں جسے میں وہ بات سمجھ کر رہا تھا، لیکن تب تک ڈاکو ایشل کو گاڑی سے نکال کر گاڑی بھاگ لے جا چکے تھے۔ وہ ذری سخی ایشل کے پاس پہنچا۔

”ایشل۔“ اس کو دیکھتے ہی گھبراہٹ کے مارے وہ اس کے ساتھ لپٹ گئی۔

”حیران بھائی۔ وہ گاڑی لے گئے۔“ اس کا سارا وجود جھکوں کی زد میں تھا اور پسینے سے شرابور ارد گرد لوگ جمع ہونے شروع ہو گئے۔

”کوئی بات نہیں ایشل! تم ٹھیک ہو؟ سنبھلو خود کو۔“ اپنا بازو اس کے گرد لپیٹے اس کو تسلی دے رہا تھا۔ خود اس کے لیے بڑی عجیب سی چویشن تھی۔

”اس سڑک پہ ایک مہینے میں تیسری گاڑی لوٹی گئی ہے۔“

”تھانے رپورٹ کریں صاحب۔“ وہاں لوگ بھانت بھانت گئے مشورے دے رہے تھے۔ اسے پہلے ایشل کو گھر چھوڑنا تھا۔ لوگوں کی مدد سے ٹیکسی روکی، ایشل کو اندر بٹھایا جس نے دونوں ہاتھوں سے اس کی شرٹ بوج رکھی تھی۔

”ریلیکس ایشل۔“ کچھ نہیں ہوا۔ اہل اس کے ”ایشل کو تسلی دیتا اب فون کر رہا تھا۔ آئس کریم وہیں کی وہیں رہ گئی۔ ایشل کے حواس بحال ہوئے تو احساس ہوا کہ فون پہ بات کرتے حیران کا ایک بازو ابھی بھی اس کو حصار میں لیے ہوئے تھا۔ اس نے دھیرے سے شرٹ چھوڑی اور غیر محسوس انداز میں الگ ہونا چاہا۔ لیکن حیران کی گرفت مضبوط تھی۔ اس

”ٹھیک ہیں۔ بس نئی کوچٹ لگی تھی کل اب بہتر ہے۔“

”ہوں۔ تم کیسی ہو؟“ اس کے پاؤں سے لپٹے چیکو کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”ٹھیک ہوں۔ آپ؟“ وہ گہرا ری تھی۔ شاید اس دن کی بات یاد کر کے۔

”میں بھی۔ گھر میں اکیلی تھیں تو اہل کپاس چلی جاتیں۔“

”نہیں ٹھیک ہوں۔ عابدہ ہے گھر۔“

”ہاے ہمارے گھر میں اتنی خاموشی پہلے کبھی نہیں ہوتی تھی۔ گھر میں کوئی نہ بھی ہوتا تو پھر بھی رونق ہوتی۔“ پچھلے بچے ہوئے لہجے میں بولی۔

”میرے خیال میں ایسا اس لیے ہے کہ تو آج کل لوگوں نے محب کی خواہش کو دل سے حلیم نہیں کیا۔“

”دل او اس ہے اس لیے گھر بھی او اس ہے۔“

”شاید ہاں۔“ محمد ان کے خیال سے متفق تھی۔

”لیکن اس کی بھی ایک وجہ ہے۔ میں ایک بار محب بھائی کی فیا سی سے ملی ہوں۔ میں بھائی کے ساتھ مارکیٹ گئی تھی۔ اتفاقاً وہ بھی وہاں تھی۔ بھائی کے

میرا تعارف کروانے کے بلو جو وہ فار ملی بھی مجھ سے نہیں ملی۔ اور محب بھائی کو لے کر آگے آگے چلنے لگی۔

وہ بے چارہ خود مشکل میں پڑ گیا تھا۔ اگر ہم عجوبہ میں ہی صحیح قبول تو کر رہے ہیں نا۔ تو وہ بھی کوشش تو

کرے۔ لیکن اس کے انداز سے تو لگا کہ اسے ہماری ضرورت نہیں۔ اس گھر کو صرف مدح کے جانے کا

نہیں محب کے جانے کا بھی دکھ ہے۔“ وہ دھیرے دھیرے دکھ بھرے لہجے میں بتا رہی تھی۔ مزید گویا ہوتی۔

”میرا ذاتی خیال ہے کہ جس رشتے میں والدین کی بے بسی ہو تو وہ رشتہ مشکل میں پڑ جاتا ہے اور

جس میں والدین کی دعا شامل ہو وہ رشتہ بھی آسان ہو جاتا ہے۔“ جسے وہ امیجور پچی نہ نہیں کیا کیا کہتا تھا وہ

کیسی پتے کی باتیں کر رہی تھی۔ وہ دل ہی دل میں

سے پرچو آنکھوں کے سامنے جبکہ آٹھ صبح ہر روز دوبار خون کرتی۔ وہ بھی ریشم تھی ایٹل کی حالت کا سن

کر یہ بھی سوچ سوچ کر شرمندگی ہوتی کہ کیا ضرورت تھی محمد ان سے لپٹنے کی۔ ایسی بھی کیا ہے ہوشی۔

لیکن جو ہو چکا تھا وہ واپس نہیں لیٹ سکتا تھا۔ آج وہ کتنے دنوں کے بعد کالج گئی تھی۔ گھر آئی تو لاما اور پاپا

کسیں جانے کے لیے تیار تھے۔ بابا کے ایک دوست کی عیادت کے لیے جانا تھا اور ایک دوسرے دوست کی

والدہ کی تعزیت کے لیے سوائسٹل کا ہی انتظار کر رہے تھے۔

”عابدہ سے کھانا گرم کروا کے کھا لیتا۔ کمرے میں ہی نہ پڑی رہتا۔“ ایٹل کا ہاتھ چوم کے ماما نے بدایات

دیں۔ محب اور مدح کے حصے کا پیار بھی ماما آج کل ایٹل پر ہی بچھا کر رہی تھیں۔ فرائی ہو کر کھانا کھایا

اور عابدہ کو چائے پلانے کا کہا۔ وہ پہلے بھی کئی بار گھر میں اکیلی رہتی تھی لیکن اب جو وحشت اور سوناہن محسوس

ہو رہا تھا۔ پہلے بھی نہ ہوا تھا۔

”ممت۔ واپس آ جاؤ پلیز۔“ ہر روز کی طرح مدح کو پکارا اور چائے کا کپ لے کر گھر کے پچھلے حصے میں

اپنے کپٹ ہاؤس کے پاس آ گئی۔ عابدہ پھر سے ڈراما دیکھنے لگی۔ نئی کی ٹانگہ۔ کل چوٹ لگ گئی تھی۔ اس

کو گود میں لے کر اس کی پینٹنچ چیک کی اور گود میں رکھے رکھے ہی پیار کرنے لگی۔ موسم بدل رہا تھا دن

ڈھلتے ہی ٹھنڈی ہوا آئی چلنے لگتیں۔ اسے چپاؤں میاؤں کرنی کیشنس میں گھرے چائے پینا اچھا لگ رہا

تھا۔ اچانک کسی کے گلا کھینکھانے کی آواز آئی۔ مڑ کر دیکھا تو دروازے کی چوکھٹ پر ہاتھ رکھے محمد ان

کھڑا تھا۔ ڈریس پینٹ اور ٹائی سے لگ رہا تھا کہ موصوف آفس سے سیدھے یہیں آ رہے ہیں۔

”السلام علیکم۔ آپ؟ آئیے نا۔“ خوشگوار حیرت میں گھری کھڑی ہوئی۔

”ہیٹو ہیٹو۔ کیسی ہیں تمہاری کیشنس۔“ وہ بھی دوسری کرسی کھیٹ کر پاس ہی بیٹھ گیا۔ شرٹ کے بازو کہنی تک فولڈ تھے مٹلی تھا ہوا لگ رہا تھا۔



معترف ہوا۔  
 ”ویسے بہت بری میزبان ہو تم۔ چائے پانی تک  
 نہیں پوچھا تم نے۔“ ماحول کا اثر داخل کرنے کے لیے  
 وہ کھڑا ہوتے ہوئے بولا۔

”اوہ سوری۔ عابدہ باگنی۔“ احتیاط سے بنی کو  
 نیچے اتار کر وہ عابدہ کو توازن دینے لگی۔

”اسے چھوٹے۔ میں تمہاری بات کر رہا ہوں۔ وہ  
 تو مجھے پانی پلا چکی ہے۔“ شرارت سے کہتا دووازے  
 میں جا کر اہوا۔

”چلیں پھر میں آپ کو چائے پلاتی ہوں۔“ کوئے  
 میں گئے واش روم پر ہاتھ دھوتے ہوئے۔ آگے پیچھے  
 چلتے لاؤنج میں آگئے۔

”نہیں چائے رہے وہ اب۔ میں تمہاری لمانت  
 تم تک پہنچانے آیا تھا۔ جو کہ اہل کے حساب سے میں  
 کھلی لیٹ ہو گیا ہوں۔“ نیپیل پر بڑے شاپر میں سے  
 ایک تھیلی ڈیٹا نکال کر اس کے سامنے کی۔  
 ”تمہاری منگنی کی انگوٹھی۔“

”اس کی کیا ضرورت تھی۔“ گھبراہٹ سے ہینہ  
 ابھر آیا۔

”ضرورت کیوں نہیں تھی۔ انگوٹھی کے غم میں  
 ہی تو اتنا رونا دھونا کیا تم نے اس دن۔“ اس کا گلابی  
 ہونا چہوا پنی نگاہوں میں بھرا شرارت سے بولا۔

”میں تو اس لیے رو رہی تھی کہ وہ میرے پاس  
 لمانت تھی۔ مجھے آپ کو وقت آنے پر واپس لوٹانی  
 تھی۔“ شکتی لہجے میں بولی وہ بھی چپ سا ہو گیا۔

”ہوں۔ تو یہ رکھ لوٹیں۔ جب وقت آئے گا تو  
 کچھ تو ہو تمہارے پاس جو میرے منہ پر مار کر منگنی توڑ  
 سکے۔“ مزاحیہ انداز میں کہتا اسے اور دھکی کر گیا۔ شاپر  
 سے کچھ اور نکال رہا تھا۔

”اور یہ بھی لو۔ تم تو انگوٹھی کے غم میں بھول ہی  
 چکی تھیں کہ وہ تمہارا موبائل بھی لے گئے ہیں۔“  
 براہین موبائل کیس اس کے سامنے تھا۔

”خالد نے کیوں بھیجا یہ سب۔“ محب بھائی نے  
 اگلے ہی دن مجھے موبائل لے رہا تھا۔ ”وہ یہ چیزیں لینے

میں متاثر تھیں۔  
 ”اب مجھے کیا پتا۔ تم سوری یا تھینک یو کے  
 بہانے فون یا مہیج کرنی تو پتا چلتا تھا۔“ اس نے پھر  
 چھیڑا۔

”میں کیوں کرنے لگی بہانوں سے آپ کو فون؟“  
 انہی تک مزاحی عود آئی۔

”ہاں ویسے تمہیں کسی بہانے کی کیا ضرورت۔  
 ویسے بھی کر سکتی ہو۔ میں جا رہا ہوں۔ بہت تھک گیا  
 بازاروں میں پھرتے۔“ وہ چائے کا کستی رہ گئی۔ وہ پھر  
 کبھی سسی کہتا نکال گیا۔

”موبائل بھی لے کر گیا ہے۔ کتنا سمجھ دار ہے میرا  
 بچہ۔ مجھے تو موبائل کا یا وہی نہیں تھا۔“ خالد کو شکریہ  
 کہنے کے لیے فون کیا تو خالد کی موبائل کے بارے میں  
 لا علمی سے دل میں حیران کے نام کے تاریختے لگے۔

”فورا“ سے پہلے سم نکال کر اس موبائل میں ڈالی۔ دل  
 کے بلخ میں محبت کے ٹھکانے نے سر اٹھایا۔



شہلی علاقہ جات سے آنے والی سرد ہواؤں نے  
 ادا نکل دسمبر سے ہی لاہور کو اپنی لیٹ میں لے لیا تھا۔  
 خشک سردی کی وجہ سے فلو اور کھانسی کی خراشوں نے  
 ایشل کو بھی پکڑ رکھا تھا۔ لیکن ایشل کو کوئی پرواہ نہیں  
 تھی۔ وہ بہت خوش تھی۔ کیونکہ سالانہ چھٹیوں میں  
 مدح کو پاکستان آتا تھا۔ وہ دھڑا دھڑاس کے لیے شاپنگ  
 کر رہی تھی، اس کے پسندیدہ جگہ ریموں کے  
 جوڑے۔ اس بار تو تائبندہ بھی اس کے ساتھ شاپنگ  
 جاری تھیں۔ دونوں مل بیٹیوں کا انتظار اور خوشی پر کچھ  
 کر جلدی صاحب بھی خوش ہوتے۔ لیکن اس خوشی کی  
 ایسی کی تھی ہو مٹی جب مدح نہیں آئی۔

”چھٹیوں کے بعد پھر زہیں۔ اگر پاکستان آگئی تو  
 تیاری نہیں کر پاؤں گی۔“ اپنی طرف سے اس نے  
 معقول توجیہ دی تھی۔ لیکن اسے نہ ایشل ماننے کو تیار  
 تھی نہ تائبندہ۔

”اور کج سل کی آخری رات تھی۔ یہ سل زندگی

کے سارے رنگ ان کو دکھا کر اپنی آخری گھڑیاں بی رہا تھا۔  
 ”کیا مدح اب کبھی نہیں آئے گی ایسا۔“ آج بلا  
 اوسی ایس کے لیے کراچی گئے ہوئے تھے۔ لہذا ایشل  
 یاما کے ساتھ ان کے کمرے میں سونے کے لیے لیٹی  
 تھی، جب ملاکی متصف توازنے اسے بھی دکھ میں گھیر  
 لیا۔

”نہیں ملا۔ پیچڑ کے بعد آئے کا کہہ رہی تھی۔“  
 اس نے تسلی دینا چاہی۔

”وہ نہیں آئے کی بجائے“ ملا کی بات نے اسے اور  
 بھی پریشان کر دیا۔ ملا تو سو گئیں لیکن وہ وہ بجے تک  
 گھڑی کی سوئیوں ہی دیکھتی رہی۔ ابھی اس کی آنکھ کھلی  
 ہی تھی کہ دھڑم کی تواز آئی۔ نا سبھی کے عالم میں  
 اوھر اوھر دیکھ کر آنکھیں بند کرنے ہی والی تھی کہ کچھ  
 خیال آئے پر کوٹ بدل کر ملا کو دکھا۔ وہ اپنے بستر پر  
 نہیں تھیں۔ ایک جھٹکے سے اٹھی۔ فوراً واش روم کی  
 طرف بھاگی۔ وہاں کا منظر دیکھ کر جان گویا ایشل میں  
 آگنی ہو۔

”ملا۔ ملا۔“ واش روم کے چنگدار فرش پر مگر ملا  
 کے گل تھپتھپاتے گھبراہٹ سے بیکار رہی تھی۔  
 ”کیا ہوا ملا؟ پلیز انصر۔“ وہ تقریباً سچ رہی تھی،  
 لیکن ملا بے ہوش ہو چکی تھیں۔ اس نے کھن رکھ کر  
 ان کے دل کی دھڑکن محسوس کرنی چاہی، ہلکی ہلکی  
 دھک دھک سن کر اس کا اپنا دل اس کے کانوں میں  
 دھڑکنے لگا۔

ملا۔ یا اللہ کیا کروں۔“ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا  
 تھا۔ البتہ بہت دقت سے تقریباً ”گھٹیت کر ملا کو باہر  
 لائی۔ ان کو کوئی ہوش نہیں تھا۔ ان کو کارٹ پر لٹا کر وہ  
 محب کے کمرے میں بھاگی۔ اسے کمرے میں نہ پا کر وہ  
 واپس بھاگی۔

”ملا۔“ پانی کے چھینٹے مارنے پر بھی وہ نہ بلیں۔  
 اب وہ کانپتے ہاتھوں سے محب کا نمبر ملا رہی تھی۔  
 مسلسل تیل جاری تھی لیکن کسی نے فون نہ اٹھایا۔  
 ایک ہاتھ سے ملا کا ہاتھ پکڑے دوسرے ہاتھ سے فون

کھن سے لگائے مسلسل تیل جاتی سن رہی تھی۔  
 ”ہیلو۔“ پانچویں بار کھل کرنے پر فون اٹھایا گیا لیکن  
 دوسری طرف محب نہیں تھا۔

”ہیلو۔“ محب بھائی کھل ہیں۔“ وہ یقیناً ”حرم  
 تھی۔

”محب تو واش روم گیا ہے۔ خیریت؟“  
 ”پلیز محب بھائی کو بتائیں۔ ملا کی طبیعت ٹھیک  
 نہیں ہے۔ مجھ سے فوراً بات کریں وہ۔“ وہاں سے  
 انداز میں مدعا بیان کیا۔

”ہیلو۔“ ایشل تمہاری تواز کلیر نہیں آ رہی۔  
 پارٹی چل رہی ہے نا۔ لو رہیں یہی نیو ایئر۔“ اور  
 فون بند ہو گیا۔ ایشل کا گلارندہ کیا۔ وہ چار منٹ بعد  
 دوبارہ نمبر ملایا تو موبائل ہی بند ملا۔ اب کہ اس نے بنا  
 کچھ سوچے حرم ان کا نمبر ملایا۔

”ہیلو۔“ چو بھی تیل پر ہی سوئی سوئی تواز کے  
 ساتھ بولا کیا ہیلو ایشل کو یہی امداد کی طرح لگا۔ پانچویں  
 منٹ کا راستہ چندر منٹ میں طے کرنا وہ ایشل کے  
 سامنے تھا۔ پنج بستہ رات میں ہف سلیو زنی شرٹ اور  
 سلوٹ زہر آؤ زرمیں موسم سے بے نیاز وہ ایشل کی بیکار  
 پر حاضر تھا۔ تابندہ کو بازوؤں میں اٹھا کر گاڑی کی پچھلی  
 سیٹ پر لٹایا۔ وہ بھی گھبرائی گھبرائی ساتھ کھڑی تھی۔  
 ”کچھ لے لو۔ سردی بہت ہے۔“ ٹاپ اور پلاؤ  
 پہنے کھڑی ایشل کو دیکھ کر کما تو وہ فوراً ”حکم کی تعمیل میں  
 اندر سے اپنا پوچھ لے آئی اور دوسرے ہاتھ میں بابا کی  
 شل بھی۔

”اس کی ضرورت نہیں تھی۔“ اس کے ہاتھ سے  
 شل پکڑتے ہوئے بولا۔

”جلدی میں کچھ لینے کا خیال ہی نہیں آیا۔“  
 ”یا اللہ میری ملا کو ٹھیک کر دے۔“ فرنت سیٹ پر  
 بیٹھی ایشل مڑ کر ملا کو دیکھتی ہر سانس کے ساتھ اسی دعا  
 کا ورد کر رہی تھی۔

”سب ٹھیک ہے۔ سنبھلو خود کو۔“ وہ گاڑی چلا تا  
 اسے بھی تسلی دے رہا تھا۔ جس کی آنکھیں خطرناک  
 حد تک لال ہو چکی تھیں۔ اسٹریس کی وجہ سے دل غ کو

آکسیجن کی سلائی رک مٹی تھی اور شوگر لیل بھی لو تھا۔  
بہر حال ڈاکٹر نے ٹرینٹ شروع کر دیا تھا۔ ملاپ پر  
سکون سوری تھیں۔ وہ ان کے کمرے سے نکل کر  
کورڈور میں گئے۔ پچ پر بیٹھ گئی۔ اندھیری سیاہ رات کو  
صبح کی سپیدی نے نکل لیا تھا۔ ٹھنڈی سرد صبح سانس  
کے ساتھ اندر اتر رہی تھی۔ کورڈور کے دوسرے  
سرے سے حمدان آنا دکھائی دیا۔ شل کو مظہر کی طرح  
گلے میں لٹکائے دونوں ہاتھوں میں وہ چائے اور وہ  
سینڈویچ تھے اسی کی طرف آ رہا تھا۔ اس کو اپنی  
طرف دیکھتا کر لٹکا سا مسکرایا وہ بچانے کن سوچوں میں  
گم تھی۔ شکر ابھی نہ سکی۔

”خالد اب بالکل ٹھیک ہیں۔ بات ہوئی ہے میری  
ڈاکٹر سے۔ تم بالکل ٹرینٹ نہ لو۔ اور یہ لو کچھ کھاؤ۔“  
اب وہ سامنے کسی غیر مٹی نقطے پر نظریں جمائے  
بیٹھی تھی۔  
”ابھی خالد کو ہوش آجائے گا تو ہم گھر لے جائیں  
گے۔ وہ انہوں کے زیر اثر سوری ہیں وہ۔“ وہ سن  
بھی رہی تھی یا نہیں نہ سمجھ نہیں پایا۔  
”ایشل۔!“ چائے کے کپ پچ پر رکھ کر اسے  
محبت سے پکارا۔  
”محبت بھائی سے بات ہوئی۔؟“ دھیرے سے  
بولی۔  
”ابھی تک فون بند ہے اس کا۔“ اسی انداز میں  
جواب دیا۔

”آپ کو پتا ہے صبح بہت اچھی ہے۔ محبت کرنے  
والی ہے بہت۔ اسے سب کو خوش رکھنا آتا ہے۔  
کبھی کسی کا دل نہیں دکھایا اس نے۔ بہت سمجھ دار،  
لائق قابل لڑکی ہے وہ۔“ وہ اسی غیر مٹی نقطے کو دیکھتے  
بول رہی تھی، ٹھہر ٹھہر کر۔  
”میں اس لیے نہیں کہہ رہی کہ میں اس کی بہن  
ہوں۔ وہ واقعی ایسی ہی ہے۔“  
”وہ میرے جیسی جلد باز نہیں۔ معاملہ فہم ہے۔“  
وہ بہت توجہ سے اسے دیکھتا ہے سن رہا تھا۔  
”وہ بہت خوب صورت بھی ہے۔ بس ساہو رہتی

ہے۔ بہت گوری رنگت، لمبے بال۔ حسین آنکھیں  
۔ ذرا سی تیار ہو تو بہت حسین لگتی ہے اور تو لو وہ  
شاعری بھی کرتی ہے۔ اگر اپنی ساری شاعری چھپوائے  
تو وہ تین کتابیں بن جائیں۔“ اب وہ حیرت سے  
بھنوں سیڑ کرا سے دیکھ رہا تھا کہ آخر اس سب سے  
اس کا مطلب کیا ہے۔ وہ ایک دم اس کی طرف مڑی۔  
اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں آنسوؤں سے لہریں  
آنکھوں میں حمدان اپنا عکس دیکھ سکتا تھا۔  
”آپ صبح سے شادی کر لیں۔“ آنکھوں میں  
انکے سارے آنسو گلابی رہ رہ گئے اور آواز سسکیوں  
سے کھل کر ٹوٹ ٹوٹ کر نکلی۔

”آپ پلیز صبح سے شادی کر لیں۔ اس کا دکھ  
میرے دل باپ کو جینے نہیں دے گا۔ سب مل جائیں  
گے۔ آپ اس کے لیے بہترین انتخاب ہووے گے اور وہ  
آپ کے لیے۔“ وہ بھونچکا سا رہ گیا۔ اس کے آنسو لوہ  
سنگیلیں اس کے دل کو جکڑ رہی تھیں۔  
”لو کہے بس کرو روٹا۔ یہ لو سینڈویچ کھاؤ۔“ خود کو  
سنبھال کر بولا۔

”پلیز حمدان بھائی۔“ محبت کے شکونے نے بھی  
حیرت سے ایشل کو دیکھا۔

”اچھا اس بارے میں پھر بات کریں گے۔ جسٹ  
ریلیکس۔“ اپنا بازو تسلی دینے کے مخصوص انداز میں  
اس کے گرد پھیلتا اس کا دکھ کم کرنے کی کوشش کرنے  
لگا۔

”ایموشنل لڑکی۔“ سوچتے ہوئے اس کا بازو  
تھپتھپایا۔



”تم مجھے فون کر سکتی تھیں۔ مرنے میں کیا تھا میں  
۔“ وہ کچن میں ملا کے لیے سوپ بنا رہی تھی جب  
محبت بھائی ملا سے مل کر آتے ہی درشت لپے میں اس  
سے پوچھ رہے تھے اس کا دل بھر آیا محبت بھائی نے  
آج تک اس سے ایسے بات نہ کی تھی۔  
”میں بھی یہی سمجھتی تھی۔ اسی لیے آپ کو فون کیا

تھا۔ حرم نے بتایا میں آپ کو یہ پارٹی تھی تاہم بھول گئی ہوگی بے چاری۔ ”مجھ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے مضبوط لہجے میں بولی۔ ایشل نے بھی آج تک محب سے ایسے بات نہیں کی تھی۔ وہ ذرا سا شگاف اور پھر تن فون کرنا پھرے سے نکل گیا۔ اپنے گالوں پر لڑھک آنے والے آنسوؤں کو اس نے بے دردی سے رگڑ کر صاف کر دیا۔

لما لدن بدن بہتر ہو رہی تھیں۔ صبح اپنے چھٹیوں میں پاکستان نہ آنے کے فیصلے پر خود کو جتنا گوس گسٹی تھی گوس رہی تھی۔ اب جس پیچہ ختم ہوتے ہی وہ اڑ کر پاکستان پہنچ جاتا جانتی تھی۔

صبح اس کو بیشہ کہتی تھی کہ ڈرائیونگ سیکھ لے۔ لیکن اس نے صبح کی بات کو بھی سیریس نہیں لیا تھا۔ مگر اس رات اسے شدت سے اپنی اس نااہلی کا اندازہ ہو گیا تھا۔ اب اس کا ارادہ تھا کہ محسوس ختم ہونے کے بعد باقاعدہ کلاسز لے گی۔ البتہ پلانے ایک بھروسے مند ڈرائیور رکھ دیا تھا جو ایشل اور تابندہ کی خدمت پر مامور تھا۔

اس دن کے بعد سے محبت جب بھی گھر میں دکھتا اندازہ لگانا مشکل ہو گیا یہ مصروف زیادہ ہے یا پریشان زیادہ۔ بہر حال نہ کسی نے اس سے کچھ پوچھا نہ اس نے کسی کو کچھ بتایا۔



اپنے دونوں ہاتھ اپنے سر کی پشت پر باندھے، انہیں کی کر سی رحمان آنکھیں بند کیے کٹنی سکون محسوس کر رہا تھا۔ کل ہی ایک تھا کہ اپنے والا پر وجیکٹ ختم ہوا تھا۔ اس طرح ریلیکس ہو کر آنکھیں بند کرنے پر جو پہلا خیال ذہن کے پردے پر ابھرا وہ ایشل کے علاوہ کسی ہو سکتا تھا۔

”باگل لڑکی۔ ایموشنز میں سب دان کرنے چلی ہے۔“ آنسوؤں میں ڈوب کر ابھرنے والے بات اس کے تاثرات کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ گو کہ اس وقت اس کے آنسو اسے تکلیف دے رہے تھے لیکن

اب اطمینان محسوس ہو رہا تھا کہ وہ آنسو کہیں نہ کہیں میرے چمن جانے کے خوف کے بھی تھے۔ ”اس نے کچھ خیال آنے پر فوراً“ آنکھیں کھول کر وقت دیکھا۔ اور پھر انٹر کلام کلن سے لگا لیا۔

”آج کوئی مینٹک تو شیڈیل نہیں ہے؟“ نفی میں جواب ملنے پر وہ فوراً ”کھڑا ہو گیا۔ اے آج ایشل سے بات کرنا ہی تھی۔ مبادا کہ انگوٹھی اتار کر وہ منہ پر مارے اور مشکلی ہی توڑ دے۔ جیسا کہ اس کا پلان تھا۔ اور صبح سے شادی کروا دے۔

”غالب میں آئس کے کلام سے ایشل کے کالج کی طرف آیا ہوں۔ آپ ڈرائیور کو منع کر دیں۔ میں اسے پک کر لوں گا۔“ اور غالب کو اور کیا چاہیے تھا صدمہ ڈاری جاتی فوراً ”سے پشتر لو کے کر دیا۔

اور اب وہ کالج کے کمرے کے باہر بھارت بھارت کے چہرے نمودار ہو تا دیکھ دیکھ کر آتا تھا تھا۔ سربراہ دینے کا ارادہ کینسل کر کے اس نے ایشل کا نمبر ڈائل کیا۔ چند منٹوں بعد وہ خوشگوار حیرت کے ساتھ باہر تھی۔

”آپ کیوں آئے لینے۔ ڈرائیور آئے تو والا تھا۔“ ”یہاں سے گزر رہا تھا تو سچا نہیں بھی پک کر لیتا ہوں۔ ویسے میں نے گھر انعام کر دیا ہے۔“ گاڑی ایک کٹنی شاپ کی پارکنگ میں لگا دی۔

”چلو تمہیں کٹنی پلانا ہوں۔“ ”رہنے دیں۔ مجھے آج تک اس آئس کریم کا ذائقہ یاد ہے۔“ شگفتہ انداز میں منع کرنا چاہا گویا۔

”آج تمہیں ساتھ لے کر جاؤں گا۔ آجاؤ۔“ خود ایشل سے پہلے باہر نکل آیا۔ ایشل نے بھی زیادہ منع نہیں کیا۔ یہاں کی کٹنی بہت اچھی اور مشہور تھی۔ سو اس کو انکار کھانا لگا۔

”ابھی چو لی میں تم سے کچھ بات کرنے کے لیے یہاں لایا ہوں۔“ کٹنی آرڈر کر کے رحمان نے بات شروع کی۔

”میں نے تمہاری آفر پر بہت غور کیا۔“ ایشل نے سوالیہ نظروں سے یوں دیکھا جیسے وہ اپنی جذباتی بات بھول چکی ہو۔



آکسیجن کی پلائی رک مٹی تھی اور شوگر لیل بھی لو تھا۔  
بہر حال ڈاکٹر نے ٹرینٹ شروع کر دیا تھا۔ ملاپ پر  
سکون سو رہی تھیں۔ وہ ان کے کمرے سے نکل کر  
کوریدور میں گئے۔ بیچ پر بیٹھ گئی۔ اندھیری سیاہ رات کو  
صبح کی سپیدی نے نکل لیا تھا۔ ٹھنڈی سرد صبح سانس  
کے ساتھ اندر اتر رہی تھی۔ کوریدور کے دوسرے  
سرے سے حمد ان آنا دکھائی دیا۔ شل کو مفلح کی طرح  
گلے میں لٹکائے دونوں ہاتھوں میں دو چائے اور دو  
سینڈویچ تھے اسی کی طرف آ رہا تھا۔ اس کو اپنی  
طرف دیکھا کر یکساں مسکرایا وہ مجھے کن سوچوں میں  
گم تھی۔ شکر ابھی نہ سکی۔

”خدا اب بالکل ٹھیک ہیں۔ بات ہوئی ہے میری  
ڈاکٹر سے۔ تم بالکل ٹرینٹ نہ لو۔ اور یہ لو کچھ کھاؤ۔“  
اب وہ سامنے کسی غیر مرئی نقطے پہ نظریں جمائے  
بیٹھی تھی۔

”ابھی خدا کو بوش آجائے گا تو ہم گھر لے جائیں  
گے۔ وہ ایسے کے زیر اثر سو رہی ہیں وہ۔“ وہ سن  
بھی رہی تھی یا نہیں وہ سمجھ نہیں پایا۔  
”ایٹل۔“ چائے کے کپ بیچ پر رکھ کر اسے  
محبت سے نکارا۔

”محبت بھائی سے بات ہوئی۔؟“ دھیرے سے  
بولی۔  
”ابھی تک فون بند ہے اس کا۔“ اسی انداز میں  
جواب دیا۔

”آپ کو بتا ہے صبح بہت اچھی ہے۔ محبت کرنے  
والی ہے۔ بہت۔ اسے سب کو خوش رکھنا آتا ہے۔  
کبھی کسی کا دل نہیں دکھایا اس نے۔ بہت سمجھ دار،  
لائق قابل لڑکی ہے وہ۔“ وہ اسی غیر مرئی نقطے کو دیکھتے  
بول رہی تھی، ٹھہر ٹھہر کر۔

”میں اس لیے نہیں کہہ رہی کہ میں اس کی بہن  
ہوں۔ وہ واقعی ایسی ہی ہے۔“  
”وہ میرے جیسی جلد باز نہیں۔ معاملہ فہم ہے۔“  
وہ بہت توجہ سے اسے دیکھتا اسے سن رہا تھا۔  
”وہ بہت خوب صورت بھی ہے۔ بس ساتھ رہتی

ہے۔ بہت گوری رحمت، لمبے بال۔ حسین آنکھیں  
۔ ذرا سی تیار ہو تو بہت حسین لگتی ہے اور تو اور وہ  
شاعری بھی کرتی ہے۔ اگر اپنی ساری شاعری چھپوائے  
تو وہ تین کتابیں بن جائیں۔“ اب وہ حیرت سے  
بھنویں سیڑ کر اسے دیکھ رہا تھا کہ آخر اس سب سے  
اس کا مطلب کیا ہے۔ وہ ایک دم اس کی طرف مڑی۔  
اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں آنسوؤں سے لبریز  
آنکھوں میں حمد ان اپنا عکس دیکھ سکتا تھا۔  
”آپ صبح سے شادی کر لیں۔“ آنکھوں میں  
انکے سارے آنسو گلاب برہہ گئے اور آواز سسکیوں  
سے گھل کر ٹوٹ کر نکلی۔

”آپ پلیز صبح سے شادی کر لیں۔ اس کا دکھ  
میرے دل میں باپ کو جسنے نہیں دے گا۔ سب مل جائیں  
گے۔ آپ اس کے لیے بہترین انتخاب ہوں گے اور وہ  
آپ کے لیے۔“ وہ بھونچکا سا رہ گیا۔ اس کے آنسو اور  
سسکیں اس کے دل کو جکڑ رہی تھیں۔

”لو کہ بس کرو دنا۔ یہ لوسینڈویج کھاؤ۔“ خود کو  
سنبھال کر بولا۔

”پلیز حمد ان بھائی۔“ محبت کے شکونے نے بھی  
حیرت سے ایٹل کو دیکھا۔

”اچھا اس بارے میں پھر بات کریں گے۔ جسٹ  
ریلیکس۔“ اپنا بازو تسلی دینے کے مخصوص انداز میں  
اس کے گرد پھینکا اس کا دکھ کم کرنے کی کوشش کرنے  
لگا۔

”ایموشنل لڑکی۔“ سوچتے ہوئے اس کا بازو  
تھپتھپایا۔

\*\*\*

”تم مجھے فون کر سکتی تھیں۔ مرنے میں کیا تھا میں  
۔“ وہ بچن میں ملا کے لیے سوپ بنا رہی تھی جب  
محبت بھائی ملا سے مل کر آتے ہی درشت لہجے میں اس  
سے پوچھ رہے تھے اس کا دل بھر آیا محبت بھائی نے  
آج تک اس سے ایسے بات نہ کی تھی۔  
”میں بھی یہی سمجھتی تھی۔ اسی لیے آپ کو فون کیا

تھا۔ حرم نے بتایا نہیں آپ کو۔ پارٹی تھی نا بھول گئی ہوگی بے چاری۔ ”عجب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے مضبوط لہجے میں بولی۔ ایٹل نے بھی آج تک محب سے ایسے بات نہیں کی تھی۔ ذرا سا ٹھنکا اور پھر تن تن کرنا چمن سے نکل گیا۔ اپنے گالوں پر لڑھک آنے والے آنسوؤں کو اس نے بے دردی سے رگڑ کر صاف کر دیا۔

لما دن بدن بہتر ہو رہی تھیں۔ صبح اپنے چھٹیوں میں پاکستان نہ آنے کے فیصلے پر خود کو جتنا گوس سکتی تھی گوس رہی تھی۔ اب بس پیچھے ختم ہوتے ہی وہ اڑ کر پاکستان پہنچ جاتا جانتی تھی۔

صبح اس کو ہمیشہ کہتی تھی کہ ڈرائیونگ سیکھ لے۔ لیکن اس نے صبح کی بات کو بھی سیریس نہیں لیا تھا۔ مگر اس رات اسے شدت سے اپنی اس نا اہلی کا اندازہ ہو گیا تھا۔ اب اس کا ارادہ تھا کہ سمجھو ختم ہونے کے بعد باقاعدہ کلاسز لے گی۔ البتہ پاپا نے ایک بھروسے مند ڈرائیور رکھ دیا تھا جو ایٹل اور تابعدہ کی خدمت پر مامور تھا۔

اس دن کے بعد سے محبت جب بھی گھر میں دکھتا، اندازہ لگانا مشکل ہوتا کہ یہ مصروف زیادہ ہے یا پریشان زیادہ۔ ہر حال نہ کسی نے اس سے کچھ پوچھا نہ اس نے کسی کو کچھ بتایا۔



اپنے دونوں ہاتھ اپنے سر کی پشت پر باندھے ہنس کی کرسی پر حمدان آنکھیں بند کیے کٹلی سکون محسوس کر رہا تھا۔ کل ہی ایک تھا کہ دینے والا پروجیکٹ ختم ہوا تھا۔ اس طرح ریلیکس ہو کر آنکھیں بند کرنے پر جو پہلا خیال ذہن کے پردے پر ابھرا وہ ایٹل کے علاوہ کسی ہو سکتا تھا۔

”پاگل لڑکی۔ ایموشنز میں سب دھن کرنے چلی ہے۔“ آنسوؤں میں ڈوب کر ابھرنے والے بات اس کے تاثرات کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ گو کہ اس وقت اس کے آنسو اسے تکلیف دے رہے تھے لیکن

اب اطمینان محسوس ہو رہا تھا کہ وہ آنسو کس نہ کہیں میرے چمن جلنے کے خوف کے بھی تھے۔ ”اس نے کچھ خیال آنے پر فوراً“ آنکھیں کھول کر دیکھا۔ اور پھر انٹر کاسٹن سے لگا لیا۔

”آج کوئی مینٹک تو شیڈول نہیں ہے؟“ نفی میں جواب ملنے پر وہ فوراً کھڑا ہو گیا۔ اسے آج ایٹل سے بات کرنا ہی تھی۔ مبلو اکہ انگوٹھی اتار کر وہ منہ پر مارے اور منگنی ہی توڑ دے۔ جیسا کہ اس کا پلان تھا۔ اور صبح سے شادی کر دیا۔

”غلط میں آؤں گے کام سے ایٹل کے کالج کی طرف آیا ہوں۔ آپ ڈرائیور کو منع کر دیں۔ میں اسے پک کر لوں گا۔“ اور غلط کو لور کیا چاہیے تھا صدمہ تواری جاتی فوراً“ سے پشیمان ہو کر دیا۔

اور اب وہ کالج کے گیٹ کے کہاں پھانت پھانت کے چہرے نمودار ہو تا دیکھ دیکھ کر آتا دکھتا۔ سربراہز دینے کا ارادہ کینسل کر کے اس نے ایٹل کا نمبر ڈائل کیا۔ چند منٹوں بعد وہ خوشگوار حیرت کے ساتھ باہر تھی۔

”آپ کیوں آئے لینے۔ ڈرائیور آئے نہ والا تھا۔“ ”یہاں سے گزر رہا تھا تو سوچا تمہیں بھی پک کر لیتا ہوں۔ ویسے میں نے گھر انعام کر دیا ہے۔“ گاڑی ایک کٹلی شاپ کی پارکنگ میں لگا دی۔

”چلو تمہیں کٹلی پلواتا ہوں۔“ ”رہنے دیں۔ مجھے آج تک اس آؤں کریم کا ذائقہ یاد ہے۔“ گفتگو انداز میں منع کرنا چاہا گویا۔

”آج تمہیں ساتھ لے کر جاؤں گا۔ آجاؤ۔“ خود ایٹل سے پہلے باہر نکل آیا۔ ایٹل نے بھی زیادہ منع نہیں کیا۔ یہاں کی کٹلی بہت اچھی اور مشہور تھی۔ سو اس کو انکار کھانا لگا۔

”اچھا چو لی میں تم سے کچھ بات کرنے کے لیے یہاں لایا ہوں۔“ کٹلی آرڈر کر کے حمدان نے بات شروع کی۔

”میں نے تمہاری آفر پر بہت غور کیا۔“ ایٹل نے سوالیہ نظروں سے یوں دیکھا جیسے وہ اپنی جذباتی بات بھول چکی ہو۔

”مرح والی آفر۔“ اب اس کی ہارٹ بیٹ مس ہوئی۔ ہاتھوں کی پوموں میں بے نام سی لرزش اتر آئی۔

”مرح واقعی دیکھی ہی ہے جیسی تم نے کہا۔ گڈ لکنک ہے“ قابل ہے، پیچور اور کانفیڈنٹ۔ ہر کوئی ایسے ہی لائف پارٹنر کی چاہ کرتا ہے۔“ اب تو ایٹل کے جیسے کانٹو بدن میں لہو نہیں۔ اس نے کہہ تو دیا تھا لیکن وہ حمدان کے منہ سے، آنے سانسے بیٹھ کر صبح کے مقابلے میں خود کو دھچکٹ کیے جانے کی کہانی نہیں سننا چاہتی تھی۔ کلنی آچکی تھی۔

”لیکن میں ذرا مختلف سوچ رکھنے والا آدمی ہوں۔“ رگوں میں خون کی دہائی ”لیکن“ سن کر تھوڑی ہچل ہوئی۔

”مجھے گوری رنگت کی بجائے ذرا گندی رنگت اہل کرتی ہے۔ اور ہلی چھوٹے ہوں یا بڑے۔ اس سے مجھے خاص فرق نہیں پڑتا۔ مجھے کدھے جتنے بل بھی پسند ہیں۔ جیسا کہ تمہارے۔“ اب وہ بہت سنجیدہ انداز میں اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ان میں آتے جاتے رنگ دیکھا کہ رہا تھا۔

”اور شاعری کی تو مجھے بالکل بھی سمجھ نہیں۔ اس لیے کتابیں وہ ہوں یا چار۔ مجھے فرق نہیں پڑتا۔ لیکن۔“ پھر لیکن نے سانس پکڑی۔

”ان سب باتوں کے باوجود بھی۔ میں تمہاری خاطر صرف تمہاری خاطر یہ آفر قبول کر لیتا۔ اگر مجھے کوئی اور لڑکی پسند ہوتی تو۔“ اس کا آخری جملہ سن کر ایٹل کے ٹھنڈے برف بے جان وجود میں جیسے کسی نے انگارے بھر دیے ہوں۔ اور شعلے کانوں سے نکلنے لگے ہوں۔ وہ جھٹکے سے اٹھی۔

”میں نیچے جا رہی ہوں۔ بے منٹ کر کے آجائیں۔“ نے مخصوص انداز میں کہہ کر کلنی بھی بغیر ہی تیز قدم اٹھائی لفٹ کی طرف بڑھی۔

”کلنی تو چینی جاتو“ وہ کہتا ہی رہ گیا۔ سو وہ بھی کلنی وہیں چھوڑ کر بے منٹ کر کے پارکنگ میں آگیا وہ منہ پھلائے گاڑی کے پاس کھڑی تھی۔ دونوں خاموشی

سے گاڑی میں بیٹھ گئے۔  
”ارے کیا ہوا۔ کوئی بات تو کرو۔“ کلنی انتظار کے بعد بلا آخر وہ خود ہی بولا۔ ایٹل تو اس کی طرف دیکھتا بھی گنلا سمجھ رہی تھی۔

”پوچھو گی نہیں۔ کون پسند ہے مجھے۔“ اب وہ مسکراہٹ دہائے اس کے نروٹھے پن کا مزہ لیتے ہوئے بولا۔

”نہیں۔ کیونکہ میں جانتی ہوں اسے۔“ وہ بھرے لہجے میں منہ پھیرے پھیرے ہی بولی۔

”رنگی۔ کون بھلا؟“ مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔  
”وہی جس کا ہاتھ پکڑ کر پھاٹوں کی چوٹیاں سر کی جاتی ہیں۔“ اب کہہ چو موڑ کر اس کو دیکھتے ہوئے طنز یہ انداز میں اس تصویر کا حوالہ دیا۔

”پھاٹوں کی چوٹیاں؟ کون؟“ وہ بالکل بھی نہیں سمجھ پایا۔ تذبذب کے عالم میں سوچنے لگا۔

”آ آ آچھا۔ پھاٹوں کی چوٹیاں۔“ کچھ یاد آنے پر قہقہہ لگا کر ہنس۔ قہقہے کے جواب میں ایٹل نے مزید منہ موڑ لیا۔

”بہادر لوگ جھلس نہیں ہوا کرتے۔ روٹھی روٹھی لڑکی! گاڑی کا موڑ موڑتے محبت بھرے لہجے میں کہہ۔

”میں کسی سے جھلس نہیں ہوتی۔“

”اچھا؟ چرے پر صاف صاف لکھا ہے۔ دیے مطمئن رہو۔ پھاٹوں کی چوٹیوں والی لڑکی سے شادی نہیں کر رہا میں۔“ ایٹل کا چہرہ ہنوز کھڑکی کی طرف تھا۔  
”میں نے بہت سوچا۔ پھر تمہیں تو بتا ہے میں کتنا رحم دل ہوں۔ ایک لڑکی جو میرے نام کی انگوٹھی چھین جان پہ اتار دیتی ہو وہ میرے چھین جانے پہ کیا غضب ڈھائے گی۔ سو پھاٹوں والی سے نہیں بلکہ انگوٹھیوں والی سے ہی شادی کا فیصلہ کر لیا ہے میں نے۔“ اس کی شرارت بھری آواز پہ ایٹل نے بے یقینی سے سر کر اس کا چہرہ دیکھا۔

”میرا مذاق اڑا رہے ہیں آپ۔“ اس کی مسکراہٹ سے یہی سمجھی۔

بنو شاہاں سب کے لیے۔ ”وہ شرارت سے دیکھتا ہوا مسکرا رہا تھا۔ جلدی سے بکن میں آگئی۔“  
”جھوٹا۔“ مسکراہٹ دباتے کٹنی بنانے لگی۔  
محبت کا شکوہ اب نوخیز کلی بن کر دل کی ڈال پر لٹک لٹک کر محبت کی دھن بجائے لگا تھا۔



اور پھر صبح آگئی۔ ایٹل جاوید کی خوشی جیسے مکمل ہو گئی تھی۔ صبح پہلے سے زیادہ خوب صورت ہو چکی تھی۔ زیادہ گلابی، زیادہ دلکش۔ تابندہ تو بار بار گلے لگائیں، ماتھا چومیں۔ ان کا جی ہی نہیں بھر رہا تھا۔  
تہمینہ اور اسفر صاحب، برج اذان بیٹیں موجود تھے۔  
حمران کے آفس میں کوئی لہو و دل پارلی تھی۔ لہذا وہ موجود نہیں تھا۔

”محبت کب آئے گے۔ آئیں ترس گئی ہیں میری تو۔“ میرا پوچھو نے تیسری بار محبت کا پوچھا۔  
”ارے سہا۔ ان ڈاکٹر صاحب کے اوقات کار تو خود ہمیں نہیں پتا، ہمیں کیا پتا ہے۔“ جاوید صاحب نے طنز محبت کی مصروفیات کو نشانہ بنایا۔ اسی اثناء میں جاوید صاحب کے موبائل پر آنے والے فون نے انہیں حیرت میں مبتلا کر دیا۔ محبت کی سرسرا کا نمبر تھا۔  
”ہیلو۔“ حیرت بجا تھی۔ پہلی بار کل کی بھی انہوں نے۔

”اپنے سائیکو بیٹے کو لے جائیں یہاں سے۔ ہم عزت دار لوگ ہیں، ورنہ کب کی پولیس کو بلا لیتی۔“  
محبت کی سانس شعلے اگل رہی تھیں۔

”مختومہ! آپ کیا بات کر رہی ہیں؟“ باقی سب بھی جاوید صاحب کی پریشانی بھانت کر متوجہ ہوئے۔

”غلطی ہو گئی، ہم سے جو آپ کے بیٹے سے رشتہ جوڑ لیا۔ جینا، جین کر دیا ہے ہماری بیٹی کا۔ یہ نہ کہ وہ نہ کہ وہ۔ غراب کر دی ہے زندگی۔ ان سیکورٹی کی بھی حد ہے۔ اب جب ہم رشتہ توڑ رہے ہیں تو دھرتیا دے بیٹھا ہے۔ عزت سے لے جائیں۔ خون خرابہ ہم بھی نہیں کرنا چاہتے۔“ جاوید صاحب نے محل سے

”اعتماد محبت کر رہا ہوں میں۔ جس کی پیش گوئی کافی عرصہ پہلے آپ اپنی سیلیوں کے سامنے کر چکی ہیں۔“ ایٹل کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی دوڑ گئی۔ صد شکر کہ گھر کا کٹ آگیا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ دروازہ توڑ کر باہر نکل آئے۔ حمران کی شرارتی مسکراہٹ کا سامنا کرنے کی تاب نہ تھی۔

”اور ہاں انگوٹھی میرے منہ پر مارنے والے فیصلے پر نظر ثانی کر کے میرے اعتماد محبت کی لالچ رکھ لیتا۔“  
لاک کھول دے گئے۔

بھاگ کر حیرت میں داخل ہوتے وقت اس نے پیچھے مڑ کے بھی نہیں دیکھا کہ حمران ابھی رہا ہے یا نہیں۔ بکن کے دروازے میں کھڑی ہلکا کو سلام کر کے وہ سیدھی اپنے کمرے میں بھاگی۔ دھڑام سے بیڈ پر گر کر اس عجیب سی کیفیت کو سمجھنے لگی جس نے اس کے روم روم کو مہکا دیا تھا۔

”اعتماد محبت۔“ وہ اپنے دل پر حمران ہو رہی تھی، وہ دل جس نے رو دھو کر انگوٹھی کو قبول کیا تھا آج ایسے بہک رہا تھا گویا صدیوں سے یہی سبب سننے کا منتظر ہو۔ کتنے ہی منٹ وہ جیت لٹی رہی، پھر یکدم اٹھ کر آئینے کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ وہی عین نقش جو بچپن سے تھے مگر آج وہ خود اپنی پہچان میں نہیں آ رہی تھی۔  
”محبت کیا اتنی طاقت ہے اس لفظ میں۔ دل پھیر دینے کی حد تک طاقتور۔“ مسیح بہ نے اسے متوجہ کیا۔

”تم نیچے آ سکتی ہو۔ میں جا رہا ہوں۔“ حمران کا مسیح تھا وہ مسکرائی۔ پھر زحما پھر مسکرائی۔ تسلی کر لینے کے بعد کہ وہ واقعی چلا گیا ہو گا۔ وہ نیچے آئی۔ لیکن پیڑھیوں پر ہی ٹھک کر رک گئی۔ وہ ابھی بھی مومنہ پریشانی سے کپ شہ لگا رہا تھا۔

”ایٹل بچے۔ حمران سے کٹنی کا وعدہ کر کے آئی ہو۔ اور اب لوہر جا کے بھول گئیں۔“ لہا نے دیکھ لیا درندہ ہیں سے لپٹ جاتی۔

”کٹنی۔“ وہ حمران ہوئی۔ کون سا وعدہ۔  
”کہہ رہا ہے راستے میں بھی نہیں پڑے دی۔ چلو



اس کی بات سنی۔ آخری بات پر وہ بھی ہنسنے لگی۔  
 ”دیکھ لے بی۔ میرے بیٹے کو ہاتھ بھی نہیں لگنا  
 چاہیے کسی کا۔“ میں آ رہا ہوں۔ ”اسفر صاحب اور  
 لڑان بھی ساتھ بھاگے۔ سب کے لیے بہت عجیب اور  
 حیران کن چویشن تھی۔ کہ آخر کیا ہو گیا تھا کہ وہ  
 رشتہ ہی توڑ رہے تھے۔

”دیکھیں مجھے خود حرم سے بات کرنا ہے۔“ حرم  
 کی انگارے چٹائی میں کو جلیوید صاحب نے روکا وہ یہ  
 جانتا چاہ رہے تھے کہ حرم کی بھی مرضی شامل ہے کہ  
 نہیں۔

”کوئی فائدہ نہیں۔ وہ تو ایک منہ سے یہ رشتہ  
 توڑنا چاہ رہی ہے۔ میں نے ہی اس کو روک رکھا تھا۔  
 ہمارے ہاں رشتے بھانا بہت اہم ہوتا ہے۔ لیکن اس  
 لڑکے نے کبھی اس کی مرضی اس کی خواہش کو اہمیت  
 ہی نہیں دی۔ وہ وہی کرے جو یہ چاہتا ہے۔ بس یہی  
 اس کی خوشی ہے۔“

”آخر ایسا کیا ہو گیا ہے کہ دونوں کے بیچ اتنی غلط  
 فہمیاں ہو گئیں۔“ محب کو لڑان کے ساتھ گاڑی میں  
 بٹھا کر اب اسفر صاحب قحل سے پوچھ رہے تھے۔

”دیکھیں بھائی صاحب۔ میری بچی نے اس  
 سائیکو کے پیچھے لگ کے کیا نہیں کیا۔ لہکنیوٹیز چھوڑ  
 دیں، دوست چھوڑ دیے۔ اب اپنے کزنز کے ساتھ  
 ایک مینے کے لیے درلڈ نور پر جانا چاہ رہی تھی۔ لیکن  
 آپ کے بیٹے کو ہوتا نہیں کیا سوچیں۔ کتنے لگا کہ نہیں  
 جاکر لے آیا بھلا۔“ جلیوید صاحب جڑ بڑھ گئے۔

”لیکن وہ یکن چھوڑیں بھائی صاحب۔ رشتہ ختم  
 ہی کیجیے۔“ اسفر صاحب کی بات کاٹ کر وہ بولیں۔

”تھک ہے۔ محب کی طرف سے آپ کو اب  
 پریشانی نہیں ہوگی۔ اور ہاں میرا بیٹا سائیکو نہیں  
 غیرت مند ہے۔“

”شکریہ۔“ ہماری لہجے میں کتنے جلیوید صاحب گھر  
 سے نکل آئے۔  
 ”میں دیکھتا ہوں پاپا کیسے توڑتے ہیں وہ رشتہ۔“

محب جلدی سے گاڑی کا دروازہ کھولنے لگا۔  
 ”بیٹھے رہو چپ کر کے۔ میں نے تمہیں ڈاکٹر بنایا  
 ہے بد معاش نہیں۔“ پہلی بار جلیوید صاحب اتنی لوہی  
 کو ان میں بولے تھے محب خاموشی سے بیٹھ گیا۔

\*\*\*

دو دن سے وہ کمرے سے باہر نہیں نکلا۔ سوائے  
 پھوپھو سیما کے کوئی اس سے بات نہیں کر رہا تھا۔  
 تیسری رات کو ملپاپا کے کمرے میں چلا گیا۔ پاپا کوئی  
 کتب پڑھ رہے تھے اور ملپاپا پڑھ کر فارغ ہوئی  
 تھیں۔ وہ وہیں جائے نماز کے ساتھ بیٹھ گیا۔

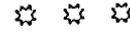
”مجھے معاف کر دیں ملپا۔ میں نے آپ سب کی  
 ناراضی میں لے کر یہ رشتہ جوڑا تھا۔ میں نہیں چاہتا  
 تھا کہ اتنی جلدی ٹوٹ جائے۔ میں بھانا چاہتا تھا ملپا۔  
 حرم ایک مشکل سامھی ہوگی یہ مجھے مشکلی کے فوراً  
 بعد ہی پتا چل گیا تھا۔ لیکن میری اتنا مجھے ہر قیمت پہ  
 رشتہ بھانے۔ آکساری تھی۔ میں خود کو شرمندہ  
 نہیں دیکھ سکتا تھا۔“ ملپا کے دونوں ہاتھ اپنی ہتھیلیوں  
 میں لیے اور پاتا تھا نکائے دھیرے دھیرے بول رہا تھا۔  
 آنسوؤں سے ملپا کی ہتھیلیاں بھی تر ہو گئیں اور چہو  
 بھی۔

”میں نے بہت ہی لڑی منتخب کر لی تھی ملپا۔ میں  
 بہت شرمندہ ہوں۔ مجھے معاف کر دیں۔“ ملپا کب  
 تک اپنے بچے کو ایسا روئے دیکھتی اس کے ماتھے سے  
 اپنا ہاتھ نکال دیا۔ جیسے معاف کر دیا ہو۔

”تمہارا انتخاب برا نہیں تھا۔ غلط تھا۔ وہ بری  
 لڑکی نہیں تھی۔ لیکن وہ جس معاشرے کی بد لوہار تھی،  
 وہاں وہ سب اس کے لیے صحیح تھا جسے تم غلط سمجھتے تھے  
 اور جو تمہیں صحیح لگتا تھا وہ ان کی نظر میں غلط تھا۔ ہر  
 سو سائیک کا ایک تعین بیانہ ہوتا ہے جس کے ذریعے  
 ہم کسی کو اچھے برے کا سرٹیفکیٹ دیتے ہیں ہم اپنی  
 جس حد کو غیرت کا نام دیتے ہیں ان کے ہاں وہ غلط  
 نظری کھلاتی ہے۔ تمہارا تصور صرف اتنا ہے کہ تم نے  
 ایک اچھی لڑکی کا انتخاب کیا لیکن وہ تمہارے لیے

مناسب نہیں تھی۔ اب جو ہو چکا سو ہو چکا۔ سب بھول کر آگے دیکھو۔ اپنے آپ کو رائے غلط فیصلے میں الجھائے رکھنے کے بجائے نئے صحیح فیصلے کرنے کی ترغیب دو۔" جلیوہ صاحبہ بھی کتب سائڈ نیبل پر رکھ کر گدرا نہ سمجھاتے اس کے پاس آئے اور کندھے سے پکڑ کر اپنے برابر کھڑا کر دیا۔

"میرا بیٹا آج بھی اتنی ہی قاتل ہے۔ جتنا چند مینے قتل تھا۔ زندگی میں آنے والے انا چڑھاؤ کو اپنے اور اتنا حلوئی نہ کرنا محب! کہ جب ہوا اور راستے پر آؤ تو زندگی تمہیں پہچان ہی نہ پائے۔" اور اسے گلے سے لگا لیا جیسے اس کی ساری ٹھکن خود میں جذب کر لینا چاہتے ہوں۔



مدح ایٹل کی الماری سیٹ کر رہی تھی۔ جس کو دیکھ کر لگ رہا تھا کافی عرصے سے خبر نہیں لی تھی۔ ایٹل غصے میں لالہ سمجھو کا چو لیے اندر داخل ہوئی اور مدح کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔

"نیچے محب بھائی کی تم سے مشکلی کی بات ہو رہی ہے۔ وہ آئے گا تمہارے پاس معافیاں تلافیاں کرنے۔ لیکن مدح تم انکار کرو گی۔ سن رہی ہوتا ہے میری مدح اتنی فالتو نہیں کہ جب چاہا مدح بھٹ کر دیا اور جب چاہا قبول کر لیا۔" ایٹل کے دل میں اپنی محبت دیکھ کر مدح کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ غصے میں کانپتی ایٹل کو گلے لگایا۔

"تم پریشان نہ ہو میری جان۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" اس کی بات پہ خود بھی حیران تھی لیکن اسے تسلی دی۔

"تم ہی نہیں کوئی مدح۔ مانا کہ کبھی یہ میری زندگی کی بہت بڑی خواہش تھی لیکن اب نہیں۔ میرا بھائی تمہارے قاتل نہیں۔"

اور ابھی وہ دن بھی نہ گزرے کہ محب اس کے سامنے تھا وہ اسٹڈی نیبل کی چیریز پر بیٹھی کچھ بڑھ رہی تھی وہ بھی دوسری کرسی ٹھیکٹ کر ساتھ بیٹھ گیا۔

## مشہور حراج کار اور شاعر انشاء جی کی خوبصورت تحریریں، کارٹونوں سے مزین

آفٹ مطالعت، مضبوط جلد، خوبصورت گروپش

مکتبہ عمران ڈائجسٹ



450/-	سڑبامہ	آوارہ گرد کی لازمی
450/-	سڑبامہ	دنیا گول ہے
450/-	سڑبامہ	ابن بطوطہ کے تعاقب میں
275/-	سڑبامہ	پچھلے ہوتے تھے کو بیٹے
225/-	سڑبامہ	مگرمیری بھرا سافر
225/-	طرد حراج	عزیز گندم
225/-	طرد حراج	اردو کی آخری کتاب
300/-	مجموعہ کلام	اس بستی کے کوہے میں
225/-	مجموعہ کلام	چاند گر
225/-	مجموعہ کلام	دل دہشت
200/-	ایڈکسٹین پوائن انشاء	اندھا کھواں
120/-	لوہری انین نظامہ	لاکھوں کا شہر
400/-	طرد حراج	ہائیں انشاء دہی کی
400/-	طرد حراج	آپ سے کیا ہوا

مکتبہ عمران ڈائجسٹ  
37، اردو بازار، کراچی

”کیسی ہو۔؟“  
 ”ٹھیک ہوں۔“  
 ”کچھ ضروری بات کرنا تھی۔“ مہر مہر کر بول رہا تھا۔

”سن رہی ہوں۔“ سپاٹ لہجہ اس مکالمے کے لیے بالکل تیار تھی۔

”مجھے بچپن سے ہمارے رشتے کے بارے میں پتا تھا۔ لڑکپن میں پہنچا تو دل چاہا کہ وہ رشتہ جس کا مجھے اور اک ہے، اس کا احساس بھی ہونا چاہیے۔ تم بھی ریزرو تھیں اور میں نے بھی کوشش نہیں کی۔ پھر برعکس اور جب کے بکھیر پڑے یہ رشتہ کہیں لو جمل غمیل۔ تم جیسے معمول کا حصہ لگیں۔ تم سے شادی کا مطلب مجھے لگا کہ زندگی میں کچھ نیا نہیں ہو گا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے صحت کہ تم میں کوئی خالی ہے بلکہ خرابی تو میری سوچ میں تھی۔ میں کسی نئے پن کا محتاج تھی۔“ وہ نظرس جھکائے اس کا لفظ لفظ سن رہی تھی۔

”اور پھر یوں ہے کہ مجھے ناپن اس میں آیا صحت منصور۔ مجھے تم ہی راس ہو۔ ایک اور اعتراف بھی کروں گا۔ میں آج تک جتنی بھی لڑکیوں سے ملا ہوں۔ تم ان سب سے اچھی ہو۔“ اس نے جیب سے کچھ نکالا۔

”لیکن اس تعریف کا یہ مطلب نہیں کہ میرے سارے قصور معاف ہو گئے۔ وہ رشتہ جو بھی نہ ہوتے ہوئے بھی تھا۔ جو میری ملا تھی کی وجہ سے ٹوٹ گیا۔ اسے میں پھر جوڑنا چاہتا ہوں۔ تم بہت قیمتی ہو صحت۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اب کی بار فیصلہ تم کو۔ تم چاہو تو انکار کر دے۔ لیکن میں کبھی بھی نہیں چاہوں گا کہ تم ملنا پلایا پھوپھو کی خواہش کے احترام میں مجھے قبول کرو۔ اسی لیے میں نے تم سے خود بات کرنا چاہی تھی تاکہ تم کسی کا بھی پریشانیے بغیر فیصلہ کر دے۔ تمہارا ہر فیصلہ سراگم ہوں۔“ وہ کھڑا ہو گیا۔ ایک کرسٹل کی ڈیسے جس میں ہیرے کی انگوٹھی دھک رہی تھی اس نے ٹیبل پر رکھ دی۔

”اگر تم نے پسینہ تو میں سمجھوں گا کہ میری ساری خطائیں معاف ہو گئیں۔“ اور کمرے سے نکل گیا۔ وہ انگوٹھی کو دیکھتی رہی۔

کرسٹل جیسے شفاف آنسو قطار در قطار کرتے جیسے سوکھی زمین کو تر کرنے لگے۔ اس نے لرزے ہاتھوں سے ڈیسے پکڑی، کھولی۔ اور انگوٹھی نکل کر اپنی بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں پسینہ۔

”محبت کرنے والے فیصلہ کرتے وقت سوچتے نہیں محبت۔“ محبت کا دعویٰ تو میرا تھا۔ انکار کر کے اپنے ان حرفوں کو کھل چھپائی جو تمہاری ذات سے منسوب ہو کر میری ڈانڑیوں میں بکھرے پڑے ہیں۔ یہ مجھے کھل جینے دیتے۔ برسوں سے میں تمہاری محبت ہوں۔ اب تم میرے محبت بن جاؤ۔“ اس نے اپنے آنسو صاف کر لیے محبت کے سارے لفظ دھمل ڈالنے لگے۔ اور وہ ایشل کے جواب دینے کے لیے خود کو تیار کرنے لگی۔

”محبت سے بڑی کوئی دلیل نہیں ایشل۔“ اس جواب کے آگے ایشل کی ہر دلیل ہار گئی۔ اور ایشل سے تو محبت اپنا آپ پہلے ہی منوا چکی تھی۔ محبت کی دیوی نے ہاتھ پھیلا کر ان دونوں کو اپنی آغوش میں لے لیا۔

صبح نے ایک ہفتے بعد واپس جانا تھا۔ اور حمد بن نے بھی اپنی کہنی کی طرف سے کروائے جانے والے ایڈوائس کورس کے لیے تین ماہ کے لیے نیویارک جانا تھا۔ سوٹے ہوا کہ محبت اور صحت کی شادی میں حمد بن اور ایشل کا بھی نکاح کر دیا جائے اور حمد بن کی واپسی پر رخصتی۔ تب تک ایشل بھی امتحانات سے فارغ ہو جائے گی۔

”سب ملے ہو گیا ہے۔ لیکن تم نے نہ ہاں کی نہ ہاں کی۔ کچھ تو بتاؤ۔“ حمد بن کا مسیح پڑھ کر وہ مسکرا اٹھی۔

”قاضی صاحب کے سامنے ہی بتاؤں گی۔“ جواب کے ساتھ ایک اسمٹلی بھی بھیج دی۔

”فنگر کراسٹ۔“ جواب ملی مسیح۔

پلاشٹی مسجد میں نکاح کا انتظام کیا گیا۔ دونوں کے ایک جیسے جوڑے تھے۔ وائٹ کے ساتھ سلور کلام۔ البتہ دوپٹوں کے کالر مختلف تھے۔ ایشل کا اور منج اور مدح کا ریڈ۔ جب کہ محب اور حمدان کی وائٹ کرنا شلواری کے اوپر بلیک ویسٹ کوٹ کے ساتھ چمب ہی زرائی تھی۔ ایجاب و قبول کے مراحل طے ہوئے۔ مہمان کے کھانے کا انتظام گھر کے لائن میں تھا۔ سو سب گھر پہنچے۔ ایشل اور مدح کمرے میں پہنچی ہی تھیں کہ دروازے کی دستک یہ چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ مدح دروازہ کھولنے کو بڑھی۔

”اجازت ہو تو کچھ بات کرنی ہے“ حمدان مدح سے ریکونسلٹ کر رہا تھا۔ ڈرائنگ کے سامنے کھڑی ایشل کا دل بہت زور سے دھڑکا۔

”جی ضرور۔ مگر خیال رہے کہ صرف نکاح ہوا ہے۔“ مدح مسکراتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔ دروازہ بند کر کے دو دھیرے دھیرے چلتا پاس آگیا۔

”سنا ہے آج آپ کا نکاح ہوا ہے۔ مبارک ہو۔“ اس کا روپ آنکھوں میں سموئے ہوئے ذرا جھک کر بولا۔

”اور سننے میں تو یہ بھی آیا ہے کہ آپ کے بڑے بھائی مکمل لگ رہے تھے۔“ اور شرارتی ہوا۔

”جی میں نے بھی آپ کے نکاح کا سنا۔ اور یہ بھی سنا کہ آپ کی دلہن جیسی حسین دلہن آج تک کسی نے دیکھی نہیں۔“ وہ بھی اسی کے انداز میں دو بدو ہوئی۔

”جی۔ بالکل صحیح سنا آپ نے۔“ مسکرا ہوا ہوتا بولا۔

”سچ بتاؤں تو کورس پہ جانے کا بالکل دل نہیں کر رہا۔ دل رخصتی کی ضد کر رہا ہے۔“ حمدان کا نیا روپ دیکھ کر وہ جھینپ گئی۔

”اب آپ جاؤں حمدان بھ۔“

”بس بس۔ بھائی نہ کہہ دیتا۔ ابھی ابھی قاضی کو پیسے دے کر آیا ہوں۔“ جلدی جلدی بولتے اسے روکا۔

جب سے کچھ نکلا۔

اسے دیکھنے لگی۔

”بھئی دو آنکھیاں تمہیں دے چکا ہوں۔ لیکن اپنے ہاتھوں سے پہنانے کا شرف کسی ایک کو بھی حاصل نہیں ہوا۔ تو سوچا یہ حسرت ہی نہ رہ جائے۔ ہاتھ دو۔“ ہلکے پھلکے انداز میں کہتے اس کا لرزنا ہاتھ تھام لیا۔

”نکاح مبارک ہو۔“ مگو غمی پہنائی۔

”آپ کو بھی۔“ شرماٹے ہوئے بولی۔

”سوچ رہا ہوں تین مہینے کیسے گزر رہے۔“

”پہاڑوں پہ جانے کا پلان کر لیجئے گلہ۔“ کچھ یاد دلاتی تنگ کر بولی۔

”ہوم۔“ آئینہ برا نہیں۔“ بے ساختہ قہقہہ روکتے ہوئے بولا۔

”جھلس نہ ہونا اس سے۔“ وہ صرف دوست ہے اور میں اس کی پہلپ کر رہا تھا۔“ اسے تسلی دے رہا تھا گویا۔

”مجھ جیسے خشک مزاج بندے سے شادی تو کر لی ہے۔ اب دوستی بھی کر لی لو۔“ اپنا دایاں ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

”شادی تو تلوانی میں ہو گئی۔ اب دوستی سوچ سمجھ کر ہی کروں گی۔“ وہ بھی ذرا سا اترا تلی۔ اس نے ہاتھ ہٹا لیا۔

”چلو نیک یور ٹائم۔“ ویسے بار وہ اٹھا رہے والے جھوٹ کچھ زیادہ بونگا نہیں تھا۔ ”کچھ یاد کر کے اس کا مذاق اڑاتے بولا تو وہ جھینپ گئی۔ اچانک میوزک کی تیز آواز نے انہیں متوجہ کیا۔ وہ آگے پیچھے کمرے سے باہر نکل آئے۔ لاؤنج کا منظر واضح تھا۔ اذانِ حسان کے بنے کو اٹھائے وائٹس کر رہا تھا۔ محب اور مدح کے ارد گرد جمع سب لوگ حسان کی بیوی کو بھی پردوں کو دل دے رہے تھے۔ ان کی آمد سے خوشیاں دوپلا ہو گئیں۔ حمدان نے ممنون نگاہوں سے ایشل کو دیکھا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اس مکمل منظر کا حصہ بننے چل دیا۔

اس شرمیت کی خیر۔ جس میں ہر رشتے کے جڑنے کی وجہ صرف محبت تھی۔